اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ﷛ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ ((يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ. وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِیْ فَإِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهُ فِیْ نَفْسِیْ وَإِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِیْ مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ شِبْرًا إِلَیَّ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِیْ يَمْشِیْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً.)) (صحيح البخاری، التوحيد، رقم: ٧٤٠٥)

”حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ اور بندہ جب بھی مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کے ساتھ ہوں۔ پس جب وہ مجھے اپنے من میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے من میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے کسی مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر (فرشتوں کی) مجلس میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آتا ہے تو میں اس کے ایک ہاتھ قریب آتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے تو میں اس کے دونوں ہاتھ پھیلانے کے برابر قریب ہوجاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آجاتا ہوں۔“

دعا کی اہمیت

لفظ دعا کا لغوی معنی ہے ''پکارنا'' لفظ دعاء مصدر ہے باب دَعَا یَدْعوا (بروزن نَصَرَ یَنْصُرُ) سے۔دعا کے اصطلاحی معنی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں:

فإن دعـاء الـمسـألة هو طلب ما ينفع الداعی ، وطلب كشف ما يضره ودفعه . (فتاویٰ ابن تیـمیـه : ۱۵ / ۱۰) ''دعاوسوال اس طلب کو کہتے ہیں جس سے سوال کرنے والے کو نفع حاصل ہواور ضرر دینے والا نقصان اس سے دور ہو۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط اِنَّ الَّـذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ﴾ (غافر : ٦٠) ''تمہارے ربّ نے کہا: تم مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، عنقریب ذلیل خوار ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو دعا کا حکم دیا اور پھر اس کی قبولیت کا وعدہ لیا ہے۔ اس لیے کہ انسان چوں کہ خطا کا پتلا ہے اور اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوکر گڑگڑاتے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے۔ کیوں کہ انسان اگر سچے دل سے اللہ سے مناجات کرے تو یہی عبادت ہے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِنَّ الـدُّعَـاءَ هُـوَ الْـعِبَادَةُ)) (مسند احمد : ٤/ ٢٧١)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کـان سـفيـان يـقول: يامن أحبّ عباده إليه من سأله فأكثر سؤاله ، ويـامـن أبغض عباده إليه من لم يسأله ، وليس كذالك غيرك يا رب . (تفسیر ابن کثیر: ٧/ ١٥٣) ''امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: اے وہ ذات پاک! اپنے بندوں میں سب سے زیادہ اس کو پسند کرتا ہے وہ جو اس سے مانگے اور کثرت سے مانگے اور وہ ذات پاک! جسے بندوں میں سب سے زیادہ بندہ ناپسند ہے جو اس سے نہ مانگے اور اے رب! تیرے سوا ایسا اور کوئی نہیں جو بے نیاز ہو اور نہ مانگے۔ امام ثوری رحمہ اللہ کے اس مفہوم کو شاعر اس طرح بیان کرتا ہے:

اللّٰه يغضب إن تركت سؤاله وبـنـى آدم حين يسأل يغضب . اگر تو اللہ سے مانگنا چھوڑ دے گا تو ناراض ہوتا ہے جب کہ آدم کے بیٹے سے مانگا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مـن لـم يسـأل الـلـه يغضب عليه) (ترمذی، رقم: ٣٣٧٣) ''جو شخص اللہ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ سابقہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کعب بن احبار رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس امت کو تین ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو اس سے پہلے نبی کے علاوہ کسی امت کو عطا نہیں کی گئی تھیں:

① اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث فرماتا تو اس سے یہ فرماتا کہ تم اپنی امت کے بارے میں گواہ ہو اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں پر گواہ بنا دیا ہے۔ ② نبی سے کہا جاتا تھا کہ دین کے بارے میں تم پر کوئی تنگی نہیں ہے اور اس امت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور تم پر دین (کی کسی بات) میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔'' (حج: ۷۸) ③ نبی سے کہا جاتا تھا کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا اور اس (اللہ) نے اس امت سے فرمایا ﴿ادعـونـی استـجب لكم﴾ تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔'' (القرطبی : ١٥/ ٣٢٦)

فہرست

اداریہ

جوا

ملک عصمت اللہ

گزشتہ شمارے میں کرکٹ اور دیگر غیر مفید تفریحات کے ضمن میں جوئے کی حرمت کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ ذہانت کے نام پر وقت کا بے محابا ضیاع لکھا گیا تھا۔ جوئے کی حرمت کا یہ واحد سبب نہیں بلکہ بے شمار اسباب ہیں جن کی بنا پر شراب اور جوئے کو حرام قرار دیا گیا۔

اگرچہ ان کے کچھ فوائد بھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ شراب سے عارضی سرور حاصل ہوتا ہے اور جوئے سے بغیر محنت ومشقت کے دولت حاصل ہوتی ہے لیکن ان کے فوائد کے مقابلے میں ان کے نقصانات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کے سامنے نفع قلیل کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ شراب عقل کو زائل کرتی ہے اور جوا مال کا ضیاع ہے۔

وہ قومیں جو شراب کو شیر مادر سمجھ کر پیتی ہیں وہ اگرچہ اس کو چھوڑ دینے سے عاجز ہیں لیکن ان کی خرابیوں اور نقصانات کا برملا اعتراف کرتی ہیں۔ حکومت امریکا نے پورے چودہ سال تک شراب کے خلاف پورے زور شور سے جہاد کیا۔ اس جہاد میں نشر واشاعت اور پروپیگنڈے کے جدید ترین اور قوی ترین وسائل اختیار کیے۔ اخبارات، رسالے، لیکچرز، تصاویر اور فلمیں سبھی شراب سے نفرت دلانے کے لیے برسرپیکار رہے۔ اس عظیم مہم پر حکومت نے تقریباً اربوں روپے خرچ کیے۔ کروڑوں پونڈ کا خسارہ برداشت کیا تین سو افراد کو تختۂ دار پر لٹکایا۔ پانچ لاکھ سے زیادہ اشخاص کو قید وبند کی سزائیں دیں۔ بھاری جرمانے عائد کیے۔ بڑی بڑی جائیدادیں ضبط کیں لیکن یہ سب چیزیں بے کار ثابت ہوئیں اور آخر کار حکومت کو اپنی شکست فاش کا اعتراف کرنا پڑا۔

اس کے برعکس قرآن کا نقطہ نظر کتنا حقیقت افروز ہے کہ شراب اور جوئے کا ایک ساتھ ذکر کر کے اس کی طرف اشارہ کیا کہ یہ دونوں برائیاں باہم جڑواں ہیں اور ان کی مضرت یکساں ہے۔ نقصان میں کوئی ایک دوسرے سے کسی طور کم نہیں۔ قرآن نے ان کی دو مضرت ترین خرابیوں کا ذکر کر کے ان کی قباحت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا کہ شراب اور جوئے کی حرمت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سے عداوت اور دشمنی کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ گہرے دوست ایک دوسرے کے خون کے پیاسے، سگے بھائی ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان ان برائیوں میں مبتلا ہو کر نماز اور یادِ الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے۔

شراب کے نشے کی بے ہوشی حقیقی زندگی سے فرار کا دوسرا نام ہے۔ دین اسلام کو ہرگز یہ گوارا نہیں کہ اس پر ایمان لانے والا شراب اور جوئے کے ذریعے وقت اور سرمائے کے ضیاع کا باعث بنے۔ یہ دونوں برائیاں جاہلی زندگی کے نشان راہ ہیں اور اسلام ان کا شدید دشمن۔

جوئے کے محرکات کو دیکھ لیں کہ اس کے پیچھے راتوں رات امیر بننے کا جنون کارفرما ہوتا ہے۔ اگر یہ جذبہ پروان چڑھتا رہے تو اس سے دیگر جرائم جنم لیتے ہیں۔ چوری ڈاکہ راہزنی جیسے گھناؤنے جرائم میں بھی تو یہی جذبہ ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جوا ان جرائم کی نرسری ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ قومی سپورٹس میں میچز کا فکس ہونا اسی مرض کا شاخسانہ ہے کہ قومی ٹیموں کے کھلاڑی اسی مرض میں مبتلا ہو کر قوم وملت کے عزت ووقار کا سودا تک کر گزرتے ہیں۔ حالیہ کرکٹ ورلڈ کپ میچ کے دوران مرکزی وزیر داخلہ جناب رحمان ملک کا بے وقت بیان قومی ٹیم کی امانت ودیانت پر عدم اعتماد کا کھلا اظہار تھا۔

جوئے کا دوسرا پہلو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ قوم کو محنت ومشقت کی عادت نہیں رہتی جس سے قوم کی عمل کی صلاحیت مفلوج ہونے اور قوت عمل سست ہونے لگتی ہے۔ تن آسانی کا مرض بڑھنے لگتا ہے اور یوں قوم بے کار اور ناکارہ بن کر رہ جاتی ہے۔

جوئے کا معاشی نقطہ نگاہ سے جائزہ لیا جائے تو صورت حال کچھ اور ہی نظر آتی ہے۔ ماہرین معاشیات اس امر پر متفق ہیں کہ قوم کی معاشی ترقی کا انحصار افزائش دولت پر ہوتا ہے لیکن جوئے سے افزائش دولت نہیں ہو پاتی بلکہ سرمایہ دار افراد کے درمیان پھرتے رہنے سے منجمد ہو کر رہ جاتا ہے اور معاشی کارزار سے فرار حاصل کر جاتا ہے جس سے قوم کی معاشی ترقی اور افزائش ونمو کا عمل رک جاتا ہے۔

جوا ایک فرد کے نفع اور دوسرے کے نقصان پر موقوف ہوتا ہے۔ معاشی ترقی کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ آدھی قوم بغیر محنت کے حاصل ہونے والی دولت سے

عیش وعشرت کی زندگی گزارے اور آدھی قوم محرومی اور غربت وافلاس کے سمندر میں غوطے کھاتی رہے۔

جوئے میں ہار جیت ہوتی ہے۔ جیتنے والے کے تو وارے نیارے ہو جاتے ہیں لیکن ہارنے والا اس سے محض ایک فرد ہی متاثر نہیں ہوتا بلکہ پورا گھرانہ متاثر ہوتا ہے۔ یوں خوشیوں سے بھرا ہنستا بستا گھر فقر وفاقہ کی مہیب تاریکیوں میں گم ہو جاتا ہے۔

ہارنے والا شخص ہارنے سے پہلے دولت مند اور صاحب ثروت ہوتا ہے۔ اس دولت مندی کی حالت میں اس نے کئی مقامی اور بین الاقوامی کاروباری معاہدے اور معاملات کیے ہوئے ہیں۔ جوئے میں ہارنے کی صورت میں وہ دیوالیہ ہو جاتا ہے اور اس کے تمام معاہدے اور معاملات چھٹ ہو کر رہ جاتے ہیں جس سے اس کا اعتماد اٹھ جاتا ہے اور کاروبار زندگی درہم برہم ہو جاتا ہے۔

اگر اخلاقی نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو اس میں انسانیت کی موت واقع ہو جاتی ہے اور انسان انسانیت کی سطح سے اتر کر حیوانیت نہیں بلکہ درندگی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے کہ دوسرے بھائی کی موت میں اپنی زندگی، اس کی مصیبت میں اپنی راحت اور اس کے نقصان میں اپنا نفع تلاش کرنے لگتا ہے۔ دوسرے کی بربادی کو اپنی آبادی کا سبب جانتا ہے۔

اس سے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ شراب اور جوا جسمانی اور روحانی بیماریوں کا سبب، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی خرابیوں کی جڑ اور فتنہ وفساد کی علت ہیں۔ ان سے ہر سطح پر گریز مناسب وانسب ہے۔ قومی، ملی اور ملکی مفاد کا تقاضا ہے کہ جوئے کی جتنی جدید شکلیں...... گھڑ دوڑ، لاٹری، سٹاک ایکسچینج میں حصص کی خرید وفروخت، بانڈز میں نمبروں کی خرید وفروخت...... وجود میں آ چکی ہیں ان پر قدغن لگائی جائے اور اس کو قانونی جواز مہیا کرنے کی بجائے قانوناً ممنوع قرار دیا جائے۔ اسی میں ملک اور قوم کا بھلا ہے۔

جھوٹ اور سچ:

پاکستان میں کہیں بجلی کا بحران ہے تو کہیں پانی کا۔ کہیں آٹے کا بحران ہے تو کہیں چینی کا۔ کہیں غذا کا بحران ہے تو کہیں گرانی کا۔ کہیں عدالتی بحران ہے تو کہیں سیاسی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان بحرانوں کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ کیا کبھی کسی کے دل ودماغ میں جنبش ہوئی یا کسی نے زحمت گوارا کی ہے کہ وہ کھلے دل اور کھلے دماغ کے ساتھ ان بحرانوں کے اصل اور بنیادی اسباب جاننے کی کوشش کرے۔

کوئی لاکھ توجیہات کرتا پھرے لیکن ہماری نظر میں اس کے بنیادی اسباب میں سے عقیدے کی کمزوری، عمل کی کوتاہی، دیانت کا فقدان نیتوں کی خرابی...... خصوصاً حکمرانوں میں...... خود اعتمادی سے محرومی اور انفرادی واجتماعی اخلاقیات کا زوال ہیں جس کی کوکھ سے آئے روز نت نئے بحران جنم لے رہے ہیں اور لیتے رہیں گے۔ جب تک قوم اور قائدین مل کر ان اسباب کی اصلاح کرنے اور ان کو دور کرنے کی کوشش نہیں کریں گے اور اپنا قبلہ درست نہیں کریں گے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں جو اہمیت رزق حلال کے حصول کو حاصل ہے شاید کسی اور کو نہیں۔ رزق حلال کے بغیر نہ کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں شرف قبولیت حاصل کر پاتی ہے نہ کسی دعا کی بارگاہِ الٰہی میں شنوائی ہوتی ہے۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم میں حلال وحرام کی تمیز باقی نہیں رہی۔ کوئی نہیں سوچتا کہ وہ جو لقمہ بیوی بچوں کے منہ میں ڈال رہا ہے وہ کیسا ہے؟ ڈاکہ، چوری، اور راہ زنی عام ہو چکی ہے۔ کسی بھی بے گناہ انسان کی راہ چلتے کسی گلی کی نکڑ پر کھڑے اسلحہ برداروں سے ملاقات ہو جاتی ہے اور وہ جان سے مار دینے کی دھمکی دے کر سب کچھ چھین لیتے ہیں۔ سود، جوئے اور رشوت کا چلن معاشرے میں عام ہو چکا ہے۔ رشوت ستانی تو اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ پہلے ناجائز کام کرنے کے عوض رشوت طلب کی جاتی تھی اب یہ حال ہے کہ کوئی جائز کام بھی رشوت کے بغیر نہیں ہو پاتا۔ یوں ہر سال قوم کا اربوں روپیہ رشوت کے دوزخ کی نذر ہو جاتا ہے۔ سرکاری اور بین الاقوامی سودوں میں کمیشن کھانا اپنا حق سمجھا جاتا ہے چاہے قوم کا اس میں کروڑوں روپے کا نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے۔

درس قرآن

قسط نمبر ۸

تفسیر سورۃ الفاطر

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

چناں چہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خلقت الملائكة من نور، وخلق الجان من مارج من نار وخلق آدم مما وصف لكم))

(مسلم: ۷۴۹۵۔ الصحیحۃ: ۴۵۹)

''فرشتوں کو نور سے، جنات کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم علیہ السلام کو اس سے جس سے تمہیں آگاہ کیا گیا ہے۔''

یہ فرشتے، جن وانس کی طرح نر ومادہ پر مشتمل نہیں، نہ وہ کھاتے ہیں نہ ہی پیتے ہیں۔ نہ ان کا شادی بیاہ ہوتا ہے نہ ہی اولاد۔ نور سے بنے ہوئے یہ لطیف اجسام رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف اشکال بدلنے کی قدرت دے رکھی ہے، ان کی تعداد حد شمار وقطار سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے تذکرہ میں فرمایا:

﴿وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ﴾ (المدثر: ۳۱)

''تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

حدیث معراج میں بیت المعمور کے ذکر میں آیا ہے کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے ہر روز اس کا طواف ستر ہزار فرشتے کرتے ہیں جس نے ایک بار طواف کیا اس کی دوبارہ باری نہیں آتی۔ (بخاری: ۳۲۰۷)

بلکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے کہ یہ بھی ساتویں آسمان پر رہنے والے فرشتے مراد ہے۔ (البدایہ، ج:۱، ص:۴۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے، جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے، آسمان بوجھ سے چر چر کرتا ہے اسے یوں کرنا چاہیے اس پر چار انگلیوں کی جگہ بھی ایسی نہیں جس پر فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو۔

(مسند احمد، ج: ۵، ص: ۱۷۳۔ ترمذی: ۲۳۱۲ وحسنہ)

طبرانی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے ایک قدیم ایک بالشت ایک ہاتھ جتنی جگہ بھی نہیں مگر وہاں کوئی فرشتہ سجدہ میں، کوئی رکوع میں، کوئی قیام میں کھڑا اللہ کی تسبیح وتہلیل میں مصروف ہے قیامت کے روز وہ کہیں گے ''سبحانك ما عبدناك حق عبادتك'' اللہ تو پاک ہے ہم سے تیری بندگی کا حق ادا نہیں ہوسکا البتہ ہم نے کسی کو تیرا شریک نہیں بنایا۔ (طبرانی، ابن کثیر، ج: ۲، ص: ۴۷۲)

آسمانوں کے علاوہ زمین وآسمان کے مابین اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے والے فرشتے اس پر مستزاد ہیں انہی میں بالخصوص انسانوں کا نامہ اعمال لکھنے والے، ان کی روح قبض کرنے والے بھی ہیں۔ کچھ فرشتے حاملین عرش ہیں اور ان کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں ہر ایک کا وجود اتنا بڑا ہے کہ کان سے کندھے تک کا فاصلہ سات سو سال کی مسافت کی دوری کے برابر ہے۔ (ابوداؤد: ۴۷۲۷۔ الصحیحۃ، رقم: ۱۵۱)

کچھ وہ ہے جو عرش کے طواف میں مصروف ہیں، ان کو المقربون کہا گیا ہے۔ انہی میں جبریل ومیکائیل، اسرافیل اور عزرائیل ہے یہ ملک الموت ہے اس کا نام صحیح احادیث میں تو نہیں البتہ بعض آثار میں یہ نام آیا ہے۔ (البدایہ، ج: ۱، ص: ۴۷)

فرشتوں کی ذمہ داریوں کے حوالے سے متعدد احادیث منقول ہیں۔ جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ فرشتوں میں بھی درجہ ومرتبہ کے اعتبار سے درجہ بندی ہے سب سے افضل جبرائیل علیہ السلام جن کا ذکر قرآن مجید اور بہت سی احادیث میں آیا ہے۔ ''مقربین'' ہیں جن

میں میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، حاملین عرش اور عرش کا طواف کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ﴾ (النساء: ۱۷۲)

''مسیح (علیہ السلام) ہرگز اس سے عار نہیں رکھے گا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب فرشتے ہی۔''

حضرت رفاعہ بن رافع الزرقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور پوچھا:

((ما تعدون اهل بدر فيكم؟ قال: من افضل المسلمين، قال وكذلك من شهد بدراً من الملائكة)) (بخاری: ۳۹۹۲)

''آپ اپنے اندر اہل بدر کو کیسا سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مسلمانوں میں سے سب سے افضل، جبریل علیہ السلام نے کہا اسی طرح جو فرشتے بدر میں شریک ہوئے وہ دوسروں سے افضل ہیں۔''

بدر میں شریک ہونے والوں میں حضرت جبریل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام کا نام تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے۔ (فتح الباری، ج: ۸، ص: ۳۱۳)

جبریل علیہ السلام کا قرآنِ پاک میں ''روح القدس، روح الامین، رسولِ کریم، ذوقوۃ، متین، مطاع، امین'' کے القاب سے ذکر ہوا ہے۔

تمام فرشتوں پر ایمان ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ﴾ (البقرۃ: ۲۸۵)

''رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے ربّ کی جانب سے اس کی طرف نازل کیا گیا اور سب مومن بھی، ہر ایک اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا، ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔'' ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ﴾ (البقرۃ: ۱۷۷)

''نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو، لیکن اصل نیکی اس کی ہے جو اللہ اور یوم آخرت اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے۔''

جس طرح فرشتوں پر ایمان کو ایمان و نیکی قرار دیا گیا اسی طرح ان کے انکار پر کفر کا اطلاق ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا﴾ (النساء: ۱۳۶)

''اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخرت (کے ساتھ) کفر کرے تو یقیناً وہ گمراہ ہوا بہت دور گمراہ ہونا۔''

یہود حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنا دشمن سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۝﴾ (البقرۃ: ۹۸)

''جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو بے شک اللہ کافروں کا دشمن ہے۔''

گویا جو جبرئیل علیہ السلام کا دشمن وہ تنہا جبرئیل کا نہیں بلکہ اللہ کا اور تمام فرشتوں کا تمام رسولوں کا دشمن ہے۔ جس طرح ایک رسول کا انکار تمام رسولوں کے انکار کے مترادف ہے اسی طرح ایک فرشتے کا انکار تمام فرشتوں کا انکار ہے۔

احادیث میں بھی فرشتوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب (یعنی جبریل علیہ السلام) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

((الايمان أن تؤمن بالله وملائكته وبلقائه ورسله وتؤمن بالبعث .)) (بخاری: ۵۰)

''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی ملاقات پر، اس کے رسولوں پر اور قبروں سے اٹھائے جانے پر ایمان لائے۔''

صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سے تقریباً یہی روایت مروی ہے۔ جس میں سائل کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان رؤمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ.))

''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر، اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے۔'' (مسلم: ٩٣)

ان دونوں احادیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ فرشتوں پر ایمان لانا ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ ان کا نورانی وجود اور ذاتی تشخص ہے۔ اور یہ ایمان بالغیب کا تقاضا ہے۔ ملحدین ان کا انکار کرتے ہیں۔ بعض نے کواکب کو فرشتے قرار دیا اور بعض نے انسان کی قوت ملکوتی کو فرشتہ قرار دیا۔ جیسا کہ سر سیّد احمد خان نے اپنی ''تفسیر القرآن'' میں کہا ہے۔ مگر یہ قطعاً غلط اور قرآن وسنت کی نصوص صریحہ سے انحراف ہے۔

انہی فرشتوں کے بارے میں یہاں فرمایا گیا ہے کہ یہ اللہ کے قاصد ہیں۔ جس طرح زمین اور آسمان کو اللہ نے بنایا ہے اسی طرح فرشتوں کو اس نے اپنا قاصد اور پیغامبر بنایا ہے۔ یہ دراصل کفار مکہ پر تعریض ہے کہ تم نے تو انہیں اللہ کی بیٹیاں بنا کر ان کی عبادت و پرستش شروع کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ يُسْئَلُوْنَ ۝﴾ (الزخرف: ١٩)

''اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمان کے بندے ہیں، عورتیں بنا دیا، کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟ ان کی گواہی ضرور لکھی جائے گی اور وہ پوچھے جائیں گے۔''

امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے، ان کی تصویریں عورتوں کی شکل پر بناتے تھے اور کہتے تھے یہ فرشتوں کی صورتیں ہیں جو اللہ کی لڑکیاں ہیں اور ان کی عبادت سے ہمارا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ (ابن کثیر، ج:١،ص:٤٧٩)

سورۂ النجم میں ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝﴾ (النجم: ٢٧)

''بے شک جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یقیناً وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے ناموں کی طرح رکھتے ہیں۔''

مشرکین مکہ کتنے خودغرض تھے کہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے تھے اور اگر ان کے اپنے گھر میں بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع ملتی تو مارے شرم کے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیوں کا اعتقاد رکھتے تھے۔ اسی تناظر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾

''کیا تمہارے لیے لڑکے ہیں اور اس کے لیے لڑکیاں؟ یہ تو اس وقت ناانصافی کی تقسیم ہے۔'' (النجم: ٢١،٢٢)

یہی بات ایک دوسرے اسلوب میں سورۂ الصافات: ١٤٩،١٥٤ اور تفصیل سے النحل: ٥٩،٨٥ میں کہی گئی ہے۔ فرشتوں کی پرستش کے نتیجہ ہی میں قیامت کے روز ان سے اس بارے سوال کیا جائے گا:

﴿وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (سبا: ٤٠،٤١)

''جس دن وہ سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے تو ہمارا دوست ہے نہ کہ وہ، بلکہ وہ جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے، ان کے اکثر انہی پر ایمان رکھنے والے تھے۔''

کہ مشرکین واقعی تمہاری عبادت کرتے رہے ہیں؟ تو وہ عرض کریں گے بالکل نہیں آپ ہر قسم کے شریک وسہیم سے پاک ہیں یہ ہماری نہیں بلکہ شیاطین جنوں کی عبادت کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ہی انہیں یہ پٹی پڑھائی کہ وہ ہمارے ناموں پر بت

تراشیں اور ان کی پرستش کریں۔
اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:
﴿اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًاۙ﴾ (النساء: ۱۱۷)
''وہ اس کے سوا نہیں پکارتے مگر مؤنثوں کو اور نہیں پکارتے مگر سرکش شیطان کو۔''
گویا مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا کر ان کی تصوراتی مورتیاں بنا کر، ان کی پرستش کرتے تھے اور ان سے یہ پرستش سرکش شیاطین کرواتے تھے۔ اس لیے اصل پوجا پاٹ تو شیاطین کی ہے۔ بت، فرشتے یا صالحین تو محض نام ہیں۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مع کل صنم جنية'' ہر بت کے ساتھ جنّی ہے۔
(ابن کثیر، ج: ۱، ص: ۷۳۹)
قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا:
﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌۙ﴾ (یٰس: ۶۰)
''کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''
مشرکین کے اسی عقیدہ کے تناظر میں فرمایا گیا ہے کہ فرشتے تو اللہ کے مکرم بندے ہیں، اور اللہ کے قاصد ہیں نہ کہ معبود۔
''رسلا'' سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام فرشتے قاصد ہیں۔ مگر قرآنِ مجید ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذمہ داری تمام فرشتوں کی نہیں چنانچہ سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا:
﴿اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌۚ﴾ (الحج: ۷۵)
''اللہ فرشتوں میں پیغام پہنچانے والا چنتا ہے اور لوگوں میں بھی، بےشک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''
لہٰذا کچھ فرشتے اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیائے کرام علیہم السلام کے مابین پیغام رسانی کی ذمہ داری نبھا رہے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پوری کائنات کے بارے میں احکام لے جانے اور ان کی تنفیذ کرنے والے ہیں۔ جو ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ہے اسے بجا لانے میں سرمو کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ یہ قاصدین اپنی مرضی سے بھی نہیں آتے جاتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا:
((ما یمنعك أن تزورنا اکثر مما تزورنا؟ فنزلت: ﴿وَ مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَ مَا خَلْفَنَا﴾ (مریم: ٦٤))) (بخاری: ٤٧٣١)
''جس قدر آپ ہماری ملاقات کے لیے آتے ہیں اس سے زیادہ آنے میں کیا امر مانع ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تیرے ربّ کے حکم سے اترتے ہیں اسی کے لیے ہے جو ہمارے آگے ہے اور ہمارے پیچھے۔''
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (ج:۹، ص:۴۲۹) میں اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے (تفسیر، ج:۳، ص:۱۷۴) میں عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چالیس روز تک جبریل علیہ السلام نہ آئے، ان کے آنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل تم تب آئے ہو جب میرا اشتیاق بڑھا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: میں بھی آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا لیکن ''میں مامور'' ہوں۔ اپنی مرضی سے نہیں آتا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تھا کہ سب سے اچھی جگہ اور سب سے بری جگہ اللہ کے ہاں کون سی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں جانتا۔ جبریل علیہ السلام سے اس بارے پوچھوں گا تو اس موقعہ میں جبریل علیہ السلام کے آنے میں تاخیر ہوئی، اسی طرح جب قریش مکہ نے اصحابِ کہف کے بارے میں پوچھا تو پندرہ دن تک سلسلہ وحی منقطع رہا۔ جبریل علیہ السلام آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے آنے میں تاخیر کی ہے۔ اس حوالے سے مزید ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر (ج:۳، ص:۹۹، ۱۷۴)۔ غور فرمائیے کہ جو فرشتے اپنی مرضی سے آنے جانے کی سکت نہیں رکھتے وہ انسانوں کی بگڑی بنانے پر کیونکر قادر ہو سکتے ہیں۔

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیو کرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: مسح الأرض باليد

زمین کو ہاتھ سے چھونا

٩٢٩ . عن أسيد، عن أمّه قالت: قلتُ لأبي قَتَادَةَ: مَا لَكَ لا تحدِّثُ عَنْ رسولِ اللّٰهِ ﷺ كما يُحَدِّثُ عَنْهُ النَّاسُ؟ فقالَ أبو قَتَادَةَ: سمعتُ رسولَ اللّٰهِ ﷺ يقُولُ: ((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيُسَهِّلْ لِجنبهِ مَضْجَعًا مِنَ النَّارِ))، وجعلَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ يقولُ ذٰلك ويمسحُ الأرضَ بيدِهِ.

"حضرت امّ اسید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ رسول اللہ ﷺ سے کیوں روایت نہیں کرتے جس طرح دوسرے لوگ کرتے ہیں اس پر ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے وہ اپنے جسم کو جہنم کی آگ کے لیے تیار کرلے۔ آپ ﷺ زمین پر ہاتھ پھیرتے تھے۔" (ضعيف الإسناد)

باب: الخذف

انگلی سے کنکری مارنا

٩٣٠ . عن عبدِ اللّٰه بن مغفل المزني قال: نهٰى رسولُ اللّٰهِ ﷺ عن الخَذْفِ، وقالَ: ((إنّه لا يَقْتُلُ الصَّيْدَ، ولا يُنْكِي العَدُوَّ، وإنّه يَفْقَأُ العَيْنَ وَيَكْسِرُ السِّنَّ.)) (صحيح البخاري)

"حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے (خذف) انگلی سے کنکری پھینکنے سے نہ وہ شکار قتل کرتی ہے اور نہ دشمن کو زخمی کرتی ہے ہاں آنکھ کو پھوڑ دیتی ہے اور دانت کو توڑ دیتی ہے۔"

باب: لا تسبوا الريح

ہوا کو برا نہ کہو

٩٣١ . عن أبا هريرةَ قال: أخذتِ الناس الريح في طريق مكة وعمرُ حاجٌّ، فاشْتَدَّتْ، فقالَ عمرُ لمن حولَهُ: مَا الرِّيْحُ؟ فلم يَرْجِعُوا بشيءٍ، فَاسْتَحْثَثْتُ رَاحِلَتِيْ فأدركتُهُ فقلتُ: بلغني أنَّكَ سألتَ عن الرِّيح، وإنّي سمعتُ رسولَ اللّٰهِ ﷺ يقُولُ: ((الرِّيْحُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ، تَأْتِي بالرَّحْمَةِ، وَتَأْتِي بالعَذَابِ، فَلَا تَسُبُّوْهَا، وَسَلُوا اللّٰهَ خَيْرَهَا وَعُوْذُوا مِنْ شَرِّهَا.))

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کو مکہ شریف کے راستے میں تیز آندھی نے گھیر لیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لے جارہے تھے ہوا نے شدت اختیار کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے دریافت فرمایا یہ ہوا کیسی ہے انہوں نے کوئی جواب نہ دیا میں اپنی سواری کو تیز دوڑا کران کے پاس پہنچ گیا میں نے کہا مجھے معلوم ہوا آپ نے لوگوں سے ہوا کے متعلق سوال کیا ہے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے ہوا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور رحمت کو لے کر آتی ہے اور کبھی عذاب بھی لے کر آتی ہے تم اسے برا نہ کہو اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے پناہ مانگو۔"

باب: قول الرجل: مطرنا بنوء كذا و كذا

کہنا کسی ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے

٩٣٢ . عن زيد بن خالد الجُهَنّي أنه قال: صلّى لنا رسولُ اللّٰهِ ﷺ صلاةَ الصُّبحِ بالحُدَيْبيّة، على أَثَرِ سماءٍ كَانَتْ مِنَ اللّيلةِ فلمَّا انصرفَ النَّبيُّ ﷺ أقْبَلَ عَلى النّاسِ فقَالَ: ((هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟)) قَالُوا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلِ أعلمُ، قَالَ: ((أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ، فذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ، كَافِرٌ بِالكَوْكَبِ، وأَمَّا مَنْ قَالَ: بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالكَوْكَبِ.)) (صحيح البخاری)

''حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر صبح کی نماز پڑھائی اس رات وہاں بارش ہوئی تھی جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ فرماتا ہے صبح کی میرے بندوں نے، اور اُن میں سے کوئی مومن ہوتا ہے اور کوئی کافر ہوتا ہے جس نے کہا ہم پر اللہ کے فضل اور رحمت کی وجہ سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان لایا اور جو ستاروں کی تسخیر کا انکار کرتا ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی وہ میرے ساتھ کفر کرتا ہے اور ستاروں پر ایمان لاتا ہے۔''

فائدہ: حدیث دلیل ہے اس بات پر کہ حوادث عالم کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا اور کواکب کے حق میں تاثیر وتصرف کا قائل ہونا موجب کفر ونفی ایمان ہے۔

باب: ما يقول الرجل إذا رَأىٰ غيماً

بادل دیکھ کر کیا کہنا چاہیے

٩٣٣ . عن عائشةَ رضي الله عنها قالتْ: كَانَ النَّبيُّ ﷺ إذا رأىٰ مَخِيْلَةً دخَلَ وخَرَجَ وأقْبَلَ وَأَدْبَرَ، وتغيَّرَ وَجْهُهُ، فَإِذَا أَمْطَرَتِ السَّمَاءُ سُرِّيَ عَنْهُ، فَعَرَّفَتْهُ عَائشةُ ذٰلِكَ فَقالَ النَّبيُّ ﷺ: ((وَمَا أَدْرِي لَعَلَّهُ كَمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿**فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ**﴾)). (صحيح البخاری)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بادل کو دیکھتے تو کبھی آگے جاتے اور کبھی پیچھے جاتے کبھی گھر میں داخل ہوتے کبھی باہر جاتے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا اور جب بارش شروع ہو جاتی تب وہ حالت دور ہو کر آپ کو اطمینان ہو جاتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی یہ کیفیت دیکھی اور وجہ دریافت فرمائی کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں شاید وہ بادل ایسا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قوم عاد کے متعلق جب انہوں نے بادل کو دیکھا کہ ان کی وادیوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔''

٩٣٤ . عن عبد اللّٰه (هو ابْنُ مسعود) قالَ: قالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((الطِّيرة شِرْكٌ، ومَا مِنَّا، ولٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بالتَّوكُّلِ.)) (صحيح)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بد فالی لینا شرک ہے ہم میں کوئی نہیں ہے یعنی جو بد فالی لیتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ بسبب توکل کے اس کو دور کر دیتا ہے۔''

فائدہ: اس کو کچھ مطابقت ترجمہ باب سے نہیں بلکہ باب ما بعد سے ہے۔

افتاء

پگڑی پر دکان یا مکان وغیرہ کے حصول کی حیثیت

شیخ الحدیث مفتی عبیداللہ خان عفیف حفظہ اللہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارہ میں، محمد صدیق نے محکمہ اوقاف (غیر مسلم) سے ۱۹۴۷ء میں دکان کرایہ داری پر لی اور کاروبار کریانہ کیا۔

محمد صدیق ۱۹۸۱ء میں وفات پا گئے۔ دکان ان کے دو بیٹوں محمد عبداللہ، محمد بشیر نے حسب ضابطہ محکمہ اوقاف سے کرایہ داری اپنے نام کروالی۔ محمد عبداللہ، محمد بشیر وفات پا گئے۔ بعد ازاں ان کے بیٹوں نے حسب ضابطہ مشترکہ طور پر دکان محکمہ اوقاف سے کرایہ داری اپنے نام کروالی۔

اس دکان کا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے سائلین نے بہت مشقت اور خطیر رقم برداشت کی اب جب کہ یہ دکان باہمی رضا مندی سے کسی دوسرے فریق کو حقوق کرایہ داری دے کر اُس کی گڈول وصول کر لی ہے۔ اب جب کہ دکان کے عوض جو گڈول لی گئی ہے آیا کہ وہ وراثت کے زمرے میں آئے گی؟ یا اُس کی تقسیم کا کوئی اور حل ہے۔ اس میں ہماری قرآن وسنت کے مطابق رہنمائی فرمائیں۔ (شیخ ممتاز احمد ولد بشیر احمد، شیخ آفتاب احمد)

جواب: بشرط صحت سوال واضح باشد کہ پورے غور وخوض اور آپ کی خیر خواہی کے پیش نظر اس فقیر کی ناقص رائے میں آپ جس رقم بطور وراثت کے تقسیم کے خواہاں ہیں یہ رقم پگڑی کے مروّجہ طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ اور دکان کی پگڑی وصول کرنے کی تمام شکلیں اکل اموال الناس بالباطل (غیر شرعی طریقوں سے لوگوں کے مال بٹورنے کے) حکم میں داخل ہیں جس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے منع فرما رکھا ہے۔ بظاہر یہ پگڑی کسی چیز کا معاوضہ نہیں ہوتی۔ اگر کسی دکان یا مکان کا محل وقوع کسی قسم کی کاروباری قدر وقیمت رکھتا ہے تو یہ دکان یا مکان کے مالک کا حق ہے نہ کہ کرایہ دار کا۔ موجودہ کرایہ دار پگڑی کی رقم کے معاوضہ میں لیے کرایہ دار کو کیا چیز دیتا ہے؟ جب کہ تجارت کی تعریف میں تو یہ پگڑی شامل نہیں کیوں کہ شرعی تجارت میں معاوضہ ضروری ہے۔ سنیے نامور مفسر ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی متوفی ۶۷۱ھ تجارت کی تعریف کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

((التجارة فی اللغة عبارة عن المعاوضة ومنه الاجر الذی یعطیه الباری سبحانه العبد عوضا عن الاعمال الصالحة هی بعض من فضله قال سبحانهٗ وتعالیٰ: ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (سورة الصف)﴾ (الجامع لاحکام القرآن، ج: ٦، ص: ٢٤٩)

تجارت معاوضہ سے عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ چوں کہ اپنے فضل سے نیک اعمال کے بدلہ میں اپنے نیک بندوں کو اجر عطا فرمائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال کے عوض اجر وثواب کو تجارت سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا آپ جس رقم کو قانون میراث کے مطابق تقسیم کرنے کے خواہاں ہیں وہ شرعاً ناجائز ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (النساء: ٢٩)

''اے ایمان والو! اپنے مالوں کو یعنی ایک دوسرے کے مالوں کو باطل (غیر شرعی) طریقوں سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے (تو جائز ہے) اور اپنے تئیں

قتل نہ کرو۔ ہر چند اللہ تم پر مہربان ہے۔''
حافظ اسماعیل ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر یوں ارقام فرماتے ہیں:

((یَـنْهَى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عِبَادَهُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَنْ اَنْ یَـاْكُـلُـوْا اَمْـوَالَ بَعْضِهِمْ بَعْضًا بِالْبَاطِلِ اَیْ بانواع المكاسب التى غير شرعية كانواع الربا والـقـمـار ومـا جـرىٰ مجرى ذالك من سائر صـنـوف الحيل وان ظهرت فى غالب الحكم الشـرعـى مـمـا يعلم الله ان مقاطيها انما يريد الحيلة على الربا .))

(تفسير ابن كثير، ج: ١، ص: ٤٧٩)

''اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو منع کر رہا ہے کہ غیر شرعی طریقوں کے ساتھ ایک دوسرے کے اموال نہ کھاؤ۔ سود، جوئے اور اس طرح کے دوسرے حیلوں کے ساتھ دوسروں کے مال نہ ہتھیاؤ۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ایسا شخص سودخوری کا حیلہ سوچتا ہے۔''

چھٹی صدی ہجری کے مشہور معقولی مفسر ابوعبداللہ محمد بن عمر فخر الدین رازی رحمہ اللہ الباطل کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

((ذكـروا فـى تـفسير الباطل وجهين الادل انه اسـم لـكـل مـا لا يـحـل فى الشرع كـالـربـا والـغـصـب والسـرقة والخيانة وشهادة الزور واخذ المال باليمين الكاذبة وجحد الحق .))

''مفسرین کرام نے الباطل کی دو تفسیریں بیان فرمائی ہیں۔ اوّل یہ کہ باطل ہر اس چیز کا نام ہے جو شرعاً حلال نہیں مثلاً سود، غصب، چوری، خیانت، جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم کے ذریعے دوسروں کا مال بٹور لینا اور کسی کا حق دبا لینا سب اکل بالباطل ہی ہے۔''

الثـانـی: ((مـا روى عـن ابـن عباس والحسن رضـى الـلـه عنهما ان الباطل هو كل ما يؤخذ مـن الانـسـان بـغير عوض .)) (تـفسيـر كبيـر، ج: ١٠، ص: ٥٦ وتفسير الخازن، ج: ١، ص: ٢٦٦)

حضرت ابن عباس اور حضرت حسن رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ باطل کا اطلاق ہر اس چیز اور مال پر ہوتا ہے جو بلامعاوضہ ہڑپ کر لیا جائے۔''

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((البـاطـل اى بـغيـر حـق (ومنها) اكل المال بالباطل بغير عوض ولا هبة وحرام باجماع))

(الجامع لاحكام القرآن، ج: ٦، ص: ٢٤٧)

''باطل کا معنی ناحق ہے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کا مال معاوضہ اور ہبہ کے بغیر کھا لینا اکل بالباطل ہے۔''

وَلَا تَـقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

((اى بـارتـكـاب محارم الله وتعاطى معاصيه واكل اموالكم بينكم بالباطل ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ فيما امركم ونهاكم عنه .))

(تفسير ابن كثير، ج: ١، ص: ٤٨٠)

''اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کاموں کو کرنا اور نافرمانیوں کے درپے رہنا اور باطل طریقوں سے دوسروں کے مال ہڑپ کر جانا اپنے تئیں تباہ کرنے کے مترادف ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تم پر مہربان ہے اس لیے جائز کاموں کا حکم دیتا ہے اور برے کاموں سے منع کرتا ہے۔''

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ المتوفی ۳۱۰ھ فرماتے ہیں:

((ان الـلـه تبـارك وتـعـالٰـى: حـظر اكل مال بـعـضـكـم علٰى بعض بالباطل الا عن تجارة يـملك بها عليه برضاهُ وطيب نفسهٖ لولا ذلك

هـلـكتـم واهـلك بـعضكم بعضا قتلا وسلبا وغصبا .)) (تفسیر طبری، ج: ٦، ص: ٦٣٨)
''اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کا مال غیر شرعی طریقہ کے ساتھ کھانے سے روک دیا مگر سوداگری کے ساتھ خوش دلی سے اوراس کی رضا مرضی اس کے مال کا مالک بنے۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو ہلاک ہوجاؤ گے اور بعض تمہارا بعض کو قتل کر دے گا، مال چھین لے گا اور غاصبانہ قبضہ جمالے گا۔''

اور یوں انسانی معاشرے کا سکون غارت ہوجائے گا۔ نتیجتاً معاشرہ فساد اور تباہی کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ اور ایسے غیر شرعی طریقوں اور حیلوں پر عمل کرنے سے اس وعید کا خطرہ خارج از امکان نہیں جو اس حکم کے آخر میں بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝﴾ (النساء: ٣٠)
''اور جو کوئی ظلم وجور سے ایسا کرے گا یعنی خون کرے یا کسی کا ناحق مال اڑا لے تو ہم ضرور اس کو قیامت کے دن دوزخ میں ڈالیں گے اور اللہ پر یہ (دوزخ میں ڈالنا) آسان ہے۔''

اس طویل گفتگو سے ثابت ہوا کہ سوالنامہ میں مذکور پگڑی ہے اور پگڑی کی تمام مروّجہ صورتیں اکل بالباطل ہیں جو کہ اکثر علماء امت کے نزدیک حرام ہیں۔

۲: حضرت مولانا وشیخنا محمد عطاء اللہ حنیف المتوفی ۱۹۸۷ء فرماتے ہیں: ایک کرایہ دار کا دوسرے کرایہ دار کو مکان یا دکان پگڑی پر دینا جس کا آج کل عام رواج پایا جاتا ہے کہ ایک کرایہ دار مکان یا دکان دوسرے کرایہ دار کو دیتا ہے اور اس سے اس کے بدلہ میں کافی رقم بطور پگڑی وصول کرتا ہے یہ موجودہ زمانہ کی ایجاد کردہ بدعت ہے جس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں۔ بلکہ یہ اپنے بھائی کا ناجائز طور پر مال کھاتا ہے۔ جس سے کتاب وسنت میں منع فرمایا گیا ہے۔

حدیث شریف آتا ہے:
((مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)) (متفق علیه بحواله مشکوة شریف، ص: ٢٧)
یعنی ''جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز نکالے جو اس میں جائز نہیں وہ مردود ہے۔''

لہٰذا یہ امر منکر ہے جس سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ واللہ اعلم
(الاعتصام، ج:۳۳، شمارہ:۳۷، مجریہ ۱۴ جمادی الثانیہ ۱۴۰۲ھ، ۹/ اپریل ۱۹۸۲ء)

۳: مفتی محمد کفایۃ اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ پگڑی کا روپیہ لینا خواہ دوسرے کرایہ دار سے خواہ مالک جائیداد سے لیا جائے ناجائز ہے۔ مالک جائیداد کو تو اپنی جائیداد واپس لینے کا حق ہے اور کرایہ دار کو یہ جائز نہیں کہ وہ جائیداد دوسرے کرایہ دار کو دے اور اس پر پگڑی کی رقم بطور رشوت کے وصول کرے۔ (محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ کفایۃ المفتی، ج:۷، ص:۳۹۴)

آخر میں ہم یہ وضاحت کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ پگڑی کا مسئلہ دسویں صدی ہجری سے جاری چلا آرہا ہے اور اختلافی مسئلہ ہے۔ کچھ اہل علم اس کے جواز کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مالک کرایہ دار سے کرایہ پگڑی ایک ساتھ طے کرے اور بالاقساط دینے لینے کا معاملہ طے ہو یا کرایہ داری کا معاملہ طے کرتے وقت کرایہ اور پگڑی کی رقم یکمشت دینا طے پا جائے۔

اسی طرح اصل کرایہ دار اگر نئے کرایہ دار کو کرایہ داری کی مدت کے دوران باقی مدت کے لیے کرایہ پر مالک کی اجازت سے دے اور اس نئے کرایہ دار سے مکان یا دکان کو کوئی نقصان نہ پہنچے تو ان صورتوں میں پگڑی کی شرعی گنجائش دی جا سکتی ہے۔ ان صورتوں میں وہ رقم کرایہ میں شمار کرلینا جائز ہوگا۔ اور کرایہ داری کی مدت پوری ہونے کے بعد جو کچھ پگڑی کے لینے دینے کا معاملہ ہوتا ہے یہ شرعاً رشوت میں ہوگا۔ مفتی حبیب الرحمان خیرآبادی رحمہ اللہ (جدید فقہی مذاہب، ص:۹۹)

سیّد محمد سابق بھی پگڑی کے جواز کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو

(فقہ السنۃ، ج:٣،ص:٢٠٨)

انڈیا مہاراشٹر کے مشہور عالم اور قیم جماعت اسلامی علامہ شمس پیرزادہ بمبئی۔ بھی جواز کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو جدید فقہی مباحث میں جواز کی صورتیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

١: مکان یا دکان کے کرایہ دار کا اپنے قبضہ کے حق کے لیے کرایہ دار کے حق میں دست بردار ہو جانا۔

٢: مالک مکان کا نئے کرایہ دار کے نام کرایہ داری کو منتقل کرنا۔

(جدید فقہی مباحث، ج:١،ص:٩١)

فقیہ ابن نجیم بھی بہ ظاہر پگڑی کے جواز کے قائل ہیں۔

(فقہی مباحث، ج:١،ص:٨٤)

علامہ سرخسی مشہور حنفی فقیہ بھی اس کے قائل ہیں ایک کرایہ دار دوسرے کرایہ دار سے زائد کرایہ وصول کرسکتا ہے۔

(جدید فقہی مباحث، ج:١،ص:٨٩)

بہرحال یہ مسئلہ اختلافی ہے ہم نے دونوں آراء لکھ دی ہیں۔ ہماری رائے احتیاط پر مبنی ہے۔ اور مجوزین کی رائے عموم بلویٰ کی بنیاد پر جواز پر استوار ہے۔ آپ کو جو بھی رائے پسند اور باعث اطمینان ہو آپ اس کو اختیار کرسکتے ہیں۔

ھٰذا ما عندی واللّٰہ تعالٰی اعلم بالصواب .

والیہ المرجع والمآب فی یوم الحساب .



مضمون نگاروں کی توجہ کے لیے

الاعتصام کے مضامین نگار حضرات وخواتین سے گزارش ہے کہ اپنے مضامین دفتر الاعتصام میں ارسال کرتے وقت درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمائیں۔

- مضمون خوش خط، کاغذ کی ایک طرف اور حاشیہ چھوڑ کر لکھا جائے۔
- بامقصد، معاشرتی، معلوماتی، تحقیقی مضامین کو ترجیحاً تحریر فرمایے۔
- مضمون مدلل، باحوالہ ہونا چاہیے۔ ماخذ کا تذکرہ اور احادیث نبوی وآیات قرآنی کے نمبر بھی درج کریں۔
- فوٹوسٹیٹ کی بجائے اصل مسودہ ارسال کریں۔
- اشاعت کے لیے اپنی باری کا انتظار کریں۔
- دفتر سے کسی قسم کے جواب کے لیے یا مضمون واپس منگوانے کے لیے جوابی ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔

امید ہے مضامین نگار دفتر سے تعاون فرمائیں گے۔ (ادارہ)

سیرتِ انبیاء — قسط نمبر ①

حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن کی روشنی میں

عطا محمد جنجوعہ

بنی اسرائیل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسل سے عمران بن ماثان ایک زاہد وعابد شخص تھے اسی وجہ سے نماز کی امامت بھی ان ہی کے سپرد تھی ان کی بیوی حنہ بھی بہت نیک اور عبادت گزار تھیں وہ دونوں بنی اسرائیل میں محبوب ومقبول تھے۔ لیکن ان کی اولاد نہ تھی۔ مائی حنہ نے ایک دن اپنے مکان کے صحن میں ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچوں کو چھرا رہی ہے تو اُن کے دل میں اولاد کی تمنا نے جوش مارا اور ربّ ذوالجلال کے دربار میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا پروردگار اسی طرح مجھ کو بھی اولاد عطا کر کہ وہ ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنے۔ دل سے نکلی ہوئی دعا کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قبولیت کا جامہ پہنایا اور حنہ نے چندروز بعد محسوس کیا کہ وہ حاملہ ہیں۔ انہیں اس احساس سے بے حد مسرت ہوئی تو انہوں نے نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا اُسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی۔

محترمہ حنہ ابھی حاملہ ہی تھیں کہ اُن کے شوہر عمران کا انتقال ہو چکا تھا۔ مدت پوری ہونے پر ولادت کا وقت آ پہنچا تو حنہ کو لڑکی کی پیدائش پر اس لیے رنج ہوا کہ میں نے جو منت مانی تھی وہ پوری نہ ہو سکے گی۔ یعنی لڑکی کس طرح بیت المقدس کی خدمت کر سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تیری لڑکی کو ہی قبول کیا۔ محترمہ حنہ نے اس کا نام مریم (خادمہ) رکھا اور کہا ''میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے۔''

پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین پرورش دی۔ اس کا نگران زکریا علیہ السلام کو بنایا۔ وہ مریم کی خالہ کے شوہر تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے صنفی احترامات کا لحاظ رکھتے ہوئے بیت المقدس کے قریب ایک حجرہ اُن کے لیے مخصوص کر دیا تا کہ وہ دن میں وہاں رہ کر عبادت الٰہی سے بہرہ ور ہوں اور جب رات آتی تو اُن کو اپنے مکان پر اُن کی خالہ ایشاع کے پاس لے جاتے اور وہ وہیں شب بسر کرتیں۔

حضرت مریم شب وروز ذکر الٰہی میں مصروف رہتیں جب بیت المقدس کی خدمت کے لیے اُن کی باری آتی تو وہ اس کو احسن طریقے سے سرانجام دیتی تھیں۔ حتی کہ اُن کا زہد وتقویٰ بنی اسرائیل میں ضرب المثل بن گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام اُن کی خبر گیری کے لیے اُن کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ لیکن اُن کو یہ بات عجیب نظر آتی کہ جب وہ حجرہ میں داخل ہوتے تو حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اکثر غیر موسمی پھل ہوتے۔

حضرت زکریا علیہ السلام یا کوئی اور شخص لا کر دینے والا نہیں تھا اس لیے حضرت زکریا علیہ السلام نے از راہِ تعجب وحیرت پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے؟ تو حضرت مریم علیہا السلام نے کہا اللہ کی طرف سے حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ سنا تو سمجھ گئے کہ یہ گویا حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی۔ لیکن بے موسم تازہ پھلوں کے واقعہ نے دل میں یہ تمنا پیدا کر دی کہ جس اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ پھل بے موسم پیدا کر دیئے ہیں کیا وہ میرے بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود مجھ کو بے موسم پھل (بیٹا) عطا نہ کرے گا۔ یہ سوچ کر انہوں نے خشوع وخضوع کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں دعا کی جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا۔

''پس فرشتوں نے انھیں (زکریا علیہ السلام کو) آواز دی جب کہ وہ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ (عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والا سردار، ضبط نفس کرنے والا اور نبی ہے

نیک لوگوں میں سے۔''

مریم صدیقہ علیہا السلام اپنے عبادت خانہ میں اس قدر بہ کثرت اور باخشوع اور لمبی نمازیں پڑھا کرتی تھیں کہ دونوں پیروں میں زرد پانی اتر آتا کہ وہ ضروری حاجات کے علاوہ کبھی اس سے باہر نہ نکلتی تھیں۔ ایک مرتبہ بیت المقدس کے مشرقی جانب لوگوں کی نگاہوں سے دور کسی ضرورت سے ایک گوشہ میں تنہا بیٹھی تھیں کہ اللہ نے اس کے پاس جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا جو انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ مریم طاہرہ علیہا السلام نے اسے دیکھا تو پریشان ہوگئیں اور اُسے مخاطب ہو کر کہا اگر تجھ کو کچھ بھی اللہ کا خوف ہے تو اُس کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ فرشتہ نے کہا میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں تجھے ایک پاکیزہ لڑکے کی خوشخبری دینے آیا ہوں جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے جو دنیا وآخرت میں ذی وقار اور اللہ کے مقربین میں سے ہوگا اور لوگوں سے اپنے پنگھوڑے میں باتیں کرے گا۔ اور ادھیڑ عمر میں بھی اور نیکوکاروں میں سے ہوگا۔

مریم علیہا السلام کہنے لگیں بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار رہوں۔ فرشتہ نے کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کلمہ ''کن'' کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔

جب مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ مدت حمل ختم ہو کر ولادت کا وقت قریب ہوتا جا رہا ہے تو انہوں نے سوچا قوم حقیقت حال سے واقف نہیں ہے شاید وہ کس کس طرح بدنام اور پریشان کرے اس لیے مناسب یہ ہے کہ لوگوں سے دور کسی جگہ چلے جانا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ یروشلم سے تقریباً نو میل دور کوہ سراۃ کے ایک ٹیلہ پر چلی گئیں جو اب بیت اللحم کے نام سے مشہور ہے۔

یہاں پہنچ کر دردِ زہ شروع ہوا تو تکلیف واضطراب کی حالت میں کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھ گئیں اور افسردہ ہو کر کہنے لگیں کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی۔ تب نخلستان کے نشیب سے اللہ کے فرشتہ نے پکارا مریم (علیہا السلام) غمگین نہ ہو تیرے پروردگار نے تیرے تلے نہر جاری کردی اور کھجور کا تنا پکڑ کر اپنی جانب ہو تو پکے اور تازہ خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے۔ پس تو کھا پی اور بچے کے نظارہ سے آنکھیں ٹھنڈی کر اور رنج وغم کو بھول جا۔ اگر تجھ سے کوئی انسان پوچھے تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ رحمٰن کے نام کا روزہ مان رکھا ہے۔ میں آج کسی شخص سے بات نہ کروں گی۔

مائی مریم طاہرہ (علیہا السلام) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لیے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں سب کہنے لگے تو نے بڑی نازیبا حرکت کی ہے نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔ مائی مریم (علیہا السلام) نے طرح طرح کی باتیں سن کر اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا قوم کہنے لگی کہ بھلا ہم گود کے بچے سے باتیں کیسے کریں۔ بچہ بول اٹھا کہ

﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ قف اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّاo﴾

''میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے پیغمبر بنایا۔'' (مریم: ۳۰)

مسلمانوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے حق بات یہی ہے۔ یہودی ونصاریٰ جن کے بارے شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿مَا کَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ لا سُبْحٰنَهٗ ط اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُo﴾ (مریم: ۳۵)

''اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا لائق نہیں وہ تو بالکل پاک ذات ہے۔ وہ تو جب کسی کام کے سرانجام دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔''

قوم نے ایک شیر خوار بچہ کی زبان سے جب یہ حکیمانہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئی اور اُس کو یقین ہوگیا کہ مریم علیہا السلام کا دامن بلاشبہ ہر قسم کی برائی سے پاک ہے اور اُس بچہ کی پیدائش کا معاملہ یقیناً منجانب اللہ ایک نشانی ہے۔ بنی اسرائیل میں سے اصحابِ خیر نے اُس کے وجود کو سعادت کا ماہتاب سمجھا تو اصحابِ شر نے اس کی ہستی کو اپنے لیے فال بد جانا۔ اُن کے اندر بغض وعناد کے شعلے بھڑک اٹھے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی نگرانی میں اس مقدس بچہ کی تربیت اور حفاظت کرتا رہا تاکہ اس کے ہاتھوں بنی اسرائیل کے مردہ قلوب کو حیاتِ تازہ بخشے۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ معراج کے موقع

پر میری ملاقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تو میں نے اُن کو میانہ قد سرخ سپید پایا۔ بدن ایسا صاف شفاف تھا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نہا کر آئے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل کی قوم ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھی۔ انفرادی واجتماعی عیوب ونقائص کا کوئی ایسا پہلو نہیں تھا جو ان سے بچ رہا ہو۔ اُن کے عقائد واعمال کا یہ حال تھا کہ وہ مشرکانہ رسوم کو جزوِ مذہب بنا چکے تھے اور جھوٹ فریب، بغض وحسد جیسی بداخلاقیوں کو تو عمداً اخلاق کریمانہ کی حیثیت دے رکھی تھی۔ اسی بنا پر بجائے شرمسار ہونے کے وہ اُن پر فخر کا اظہار کرتے تھے۔ اور ان کے علماء واحبار نے تو دنیا کے لالچ وحرص میں کتاب اللہ تورات تک کو تحریف کیے بغیر نہ چھوڑا اور درہم ودینار پر اللہ کی آیات کو فروخت کر ڈالا یعنی عوام سے نذر اور بھینٹ حاصل کرنے کی خاطر حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اور اسی طرح قانونِ الٰہی کو مسخ کر ڈالا۔

یہ وہ دور تھا جب یہود کے بادشاہ ہیرودیس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اپنی محبوبہ کے اشارہ پر عبرت ناک طریقہ پر قتل کرا دیا تھا کیوں کہ وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بڑھتی ہوئی روحانی مقبولیت کو برداشت نہ کرسکا اور اپنی محبوبہ سے ناجائز رشتہ پر اُن کے نہی عن المنکر کے فریضہ کی تاب نہ لاسکا۔ تب وہ وقت سعید آ پہنچا کہ جس مبارک بچہ نے حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کی آغوش میں پیغام حق سنا کر بنی اسرائیل کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سن رشد کو پہنچ کر اعلان کیا کہ وہ اللہ کا رسول اور پیغمبر ہے تو قوم میں ہلچل مچ گئی وہ حق وصداقت کے نور سے منور ہو کر آئے اور تمام اسرائیلی دنیا پر چھا گئے۔

حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کی مقدس ہستی نے قوم کو للکارا اور احبار کی علمی محفلوں اور راہبوں کے حجروں، بادشاہ اور امراء کے درباروں اور عوام وخواص کی مجلسوں میں حتی کہ کوچہ وبازاروں میں شب وروز پیغام حق سنایا۔

''میں تمہارے پاس ربّ کی نشانی لایا ہوں میں تمہارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردے کو جلا دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے۔ اگر تم ایمان والے ہو۔ اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کردی گئی ہیں۔ اور میں تمہارے پاس ربّ کی نشانی لایا ہوں اس لیے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ یقین مانو! میرا اور تمہارا ربّ اکیلا ہی ہے تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔'' (آلِ عمران: ٤٩ تا ٥١)

''جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے (میری قوم) بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں جس کا نام احمد ہے۔ پھر وہ جب ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔'' (الصف: ٦)

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اَنَا دَعْوَۃُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَبُشْرٰی عِیْسٰی))

''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کا مصداق ہوں۔'' (مسند احمد: ٥/١٦١)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ازل سے قانون رہا کہ جب کسی قوم کی ہدایت کے لیے نبی مبعوث فرماتا تو اُس کو آیات بینات اور وہ معجزات عطا کرتا جو اُس دور کے حالات کے مطابق ہوتے تا کہ قوم تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے کہ یہ انسانوں کے بس کا روگ نہیں بلکہ اللہ قادر کی جانب سے ہے۔ (جاری ہے)

پند ونصائح

قسط نمبر ①

آؤ ہم شیطان کی مخالفت کریں

عبدالرحیم بلتستانی

شیطان کسے کہتے ہیں:

الشیطان: یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔

صاحب لسان رقم طراز ہے:

''اہل عرب ہر اس چیز کو شیطان بولتے ہیں جو سرکش اور باغی ہو۔ خواہ وہ انسان ہو جن ہو یا کوئی جانور ہو۔''

(لسان العرب: ۲۳۸/۱۳ مادہ شطن)

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید اور احادیث مبارکہ میں بھی لفظ شیطان سرکش و باغی انسانوں اور جنوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ﴾

(الانعام: ۱۱۲)

''اسی طرح ہم نے شیطان صفت انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا جو دھوکا دینے کی غرض سے کچھ خوش آئند باتیں ایک دوسرے کے کانوں میں پھونکتے رہتے ہیں۔''

اسی طرح عہد نبوی ﷺ میں جو منافق سرکش لوگ تھے ان کے بارے اللہ تعالیٰ نے لفظ شیطان استعمال کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۝﴾

(البقرۃ: ۱۴)

''اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیطانوں کی طرف اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں بے شک ہم تمھارے ساتھ ہیں، ہم تو صرف مذاق اڑانے والے ہیں۔''

اس طرح لفظ شیطان کا زیادہ استعمال جنات کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ۝﴾ (الانبیاء: ۸۲)

''اور کئی شیطان جو اس کے لیے غوطہ لگاتے تھے اور اس کے علاوہ کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کے نگہبان تھے۔''

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بڑا سرکش، نافرمان اور اللہ کا باغی چوں کہ ''شیطانِ اکبر'' یعنی ابلیس ہے اس لیے یہ لفظ زیادہ ابلیس ہی کے لیے استعمال ہوا اور عرف عام میں بھی اس سے یہی مراد لیا جاتا ہے۔

شیطانِ اکبر کے مددگار کون ہیں؟

شیطانِ اکبر اگرچہ اکیلا ہی ساری انسانیت کا دشمن ہے مگر اس کے ساتھ اس کے بہت سے مددگار بھی چیلے چانٹوں کی شکل میں موجود ہیں۔ شیطان چوں کہ جنات میں سے ہے اس لیے اس کے زیادہ چیلے چانٹے جنات ہی سے ہیں۔ کیوں کہ ان کے ذریعے کام کروانا اس کو بہت زیادہ موزوں ہوتا ہے۔ یہ بغیر دکھائی دیے انسان کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس طرح ہر انسان کو گمراہ کرنا اس کا مقصد ہے ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے لاعلمی اور جہالت کی بنا پر انسان بھی اس کی باتوں میں آ کر اس کے قریب ہو کر اس کا مددگار بن جاتا ہے۔ لیکن اگر انسان اللہ کی یاد سے غافل ہو جائے تو یہ اس پر تسلط جماتا اور گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۝﴾ (الزخرف: ٣٦)

''اور جو شخص رحمٰن کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کردیتے ہیں، پھر وہ اس کے ساتھ رہنے والا ہوتا ہے۔''

شیطان ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما منكم من أحد الا وقد وكل الله به قرينه من الجن واياك يا رسول الله؟ قال واياى الا ان الله اعانني عليه فأسلم فلا يأمرنى الا بخير.)) (صحيح مسلم: ٢٨١٨)

''اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک جن کو ساتھی بنا کر مقرر کر رکھا ہے۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ساتھ بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی مگر میرے ربّ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد کی ہے اور وہ میرے تابع ہوگیا۔ اس لیے وہ مجھے خیر و بھلائی کے علاوہ کوئی اور حکم نہیں دیتا۔''

دوسری روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((نعم ولكن ربى اعانني حتى اسلم.))

(مسلم: ٢٨١٥)

''ہاں میرے ساتھ بھی مگر میرے ربّ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد کی ہے اور وہ مسلمان ہوگیا ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان موجود ہوتا ہے۔ بالعموم جو ہر وقت انسان کے تعاقب میں رہتا ہے اور جب موقع ملتا ہے انسان کے دل پر برا وسوسہ پیدا کردیتا ہے اگر انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر ہمیشہ کرتا رہے، اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے تو یہ اپنے برے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ بلکہ شیطان اس سے کئی میل تک دور بھاگ جاتا ہے۔

شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے:

۱: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۝﴾ (یوسف: ٥)

''بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

۲: ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا﴾

''یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔'' (الاسراء: ٥٣)

۳: ﴿وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا﴾ (الفرقان: ٢٩)

''اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے۔''

۴: ﴿وَ لَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۝﴾

''تمہیں (سیدھی راہ سے) شیطان روک نہ دے کیوں کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' (الزخرف: ٦٢)

۵: ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۝ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۝ وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ۝﴾ (یس: ٦٠-٦٢)

''کیا میں نے تمھیں تاکید نہ کی تھی اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، یقیناً وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔ اور بلاشبہ یقیناً اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کردیا۔ تو کیا تم نہیں سمجھتے تھے۔''

۶: ﴿يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝﴾ (الاعراف: ٢٧)

''اے آدم کی اولاد! کہیں شیطان تمھیں فتنے میں نہ ڈال دے، جس طرح اس نے تمھارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا، وہ دونوں سے ان کے لباس اتارتا تھا، تاکہ دونوں کو ان کی شرمگاہیں دکھائے، بے شک وہ اور اس کا قبیلہ

تمھیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کے دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔''

ان تمام آیتوں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک شیطان انسان کا ازلی دشمن رہا ہے اور ہمیشہ راہِ راست سے ہٹا کر انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

شیطان کی پیروی کبھی نہ کرو:

آئیں دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کتنی بار شیطان لعین کی پیروی کرنے سے روکا ہے۔

قرآنِ مجید میں بے شمار ایسے مقامات ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تم شیطان کی پیروی نہ کرو۔

۱: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ ﴾ (البقرۃ: ۲۰۸)

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔''

۲: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ ﴾ (النور: ۲۱)

''اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔''

۳: ﴿ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ ﴾ (الانعام: ۱۴۲)

''کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمھیں رزق دیا اور شیطان کے قدموں کے پیچھے مت چلو۔''

یہ بات ذہن نشین کرنا چاہیے کہ شیطان کی پیروی اور نقش قدم پر چلنے کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی اور حکم عدولی کی جائے۔ گویا کہ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مبنی ہو اسے بجا لانا شیطان کی پیروی کرنے کے مترادف ہے۔ کیوں کہ شیطان کا مشن ہی یہ ہے کہ انسان اپنے ربّ کا نافرمان، باغی بن جائے۔

اللہ کے لیے غور فرمائیں میں چند باتیں قارئین کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جو کہ روز مرہ زندگی میں ہم اکثر شیطان لعین کی پیروی میں کرتے ہیں۔ چوں کہ شیطان لعین ہمارے لیے ازلی دشمن ہے تو شیطان لعین کی مخالفت کرنا ہم سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ لہٰذا میں چند چیزیں اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کروں گا جو شیطانی فعل ہیں۔ ہمارے حقیقی مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہم شیطانی افعال سے بھرپور مخالفت کر کے حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں میں شمار ہوجائیں اور یہ دنیا فانی ہمارے لیے باعث رحمت بن جائے اور جنت النعیم ہمارا ٹھکانہ بن جائے، آمین۔

شیطان کی مخالفت

۱۔ کھانا پینا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا أكل أحدكم فليأكل بيمينه فإن شيطان ياكل بشماله ويشرب بشماله .))

(مسلم: ۲۰۲۰، ابوداؤد: ۳۷۷٦)

''جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پیئے تو اپنے دائیں ہاتھ سے پیئے کیوں کہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔''

امام الصنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((الحديث دليل على تحريم الأكل والشرب فانه علّله بانه فعل الشيطان وخلقه والمسلم مأمور يجتنب طريق أهل الفسق فضلا عن الشيطان .)) (سبل السلام: ٤/٢٤٧)

''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کا اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا اور پینا حرام ہے کیوں کہ اس میں علت یہ ہے کہ شیطانی فعل ہے اور شیطان کی عادات میں سے ایک

ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان چیزوں سے باز رہیں جو فسق اور شیطانی عمل ہیں۔''

اس طرح اگر کوئی شخص بائیں ہاتھ کے ساتھ کھاتا یا پیتا ہے تو شیطان لعین سے مشابہت ہوجائے گی۔

لہٰذا جب نافرمانوں اور سرکشوں کی مشابہت حرام ہے تو شیطان ملعون کی مشابہت بالاولیٰ حرام ہے۔ اس لیے دائیں ہاتھ کے ساتھ ہی کھانا، پینا چاہیے اور شیطانی کام سے مخالفت کرنی چاہیے۔ البتہ مجبوری کی صورت میں اس کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

٢۔ شیطان ایک جوتا پہن کر چلتا ہے:

((عن ابی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الشيطان يمشی فی النعل الواحدة.)) (سلسلة الصحيحه، رقم: ٣٤٨)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ شیطان ایک جوتا پہن کر چلتا ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی ایک جوتا پہن کر چلتا ہے تو وہ شیطان کی پیروی کرتا ہے اس لیے اُس کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ دونوں جوتے پہن کر چلے۔ اس طرح دوسری روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا يمش احدكم فی نعل واحدة ولينعلهما جميعا أو ليخلهما جميعا.))

(بخاری: ٥٨٥٥، مسلم: ٢٠٧٧)

''تم میں سے کوئی ایک جوتے میں مت چلے اسے چاہیے کہ دونوں جوتے پہنے یا دونوں جوتے اتار دے۔''

اس حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوتا پہن کر چلنے سے منع فرمایا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چلنا ہے تو دونوں جوتے پہن کر چلے یا دونوں کو اتار کر چلے۔''

اس لیے اس میں حکمت ہے کہ جوتے پہننے کا مقصد پاؤں کو تکلیف دہ چیزوں سے مثلاً کانٹوں، پتھروں وغیرہ سے بچانا ہے۔ اگر ایک پاؤں ننگا ہوگا تو اس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ صحیح طریقے سے چل بھی نہیں سکے گا۔ ایک طرف اس کے گرنے کا اندیشہ ہے دوسری طرف اسے پاؤں میں موچ آنے کا خدشہ ہے۔ اس لیے دین اسلام ہمیشہ انسان کے لیے کارِ خیر کی راہ نمائی کرتا ہے اور مشکل اور سخت کام سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے شیطانی کام چھوڑ کر صحیح سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

٣۔ شیطان قیلولہ نہیں کرتا:

((عن انس رضی الله عنه قال قال النبی صلى الله عليه وسلم: قيلوا فإن الشياطين لا تقيل.)) (صحيح الجامع البانی: ١٤٧/٤۔ كنز العمال: ٨٠٢/٧، رقم: ٢١٤٧٧)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیلولہ کرو کیوں کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتے۔''

قیلولہ: دوپہر کو آرام کرنے کو قیلولہ کہتے ہیں۔ ہم سب کو چاہیے کہ ہم قیلولہ کریں تاکہ شیطان مردود سے مخالفت ہو۔ قیلولہ سے مراد طویل نیند نہیں۔ (جاری ہے)



تعلیم وتربیت

قسط نمبر ①

عربی زبان کے بارے میں ضروریات اور تقاضے

محمد بشیر (متخصص فی تعلیم اللغة العربیة لغیر العرب۔ پرنسپل معهد اللغة العربیة)

عربی زبان سیکھنے کی ضروریات اور تقاضے وطن عزیز کے قیام کے ساتھ ہی پیدا ہو گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک خود مختار اسلامی ملک عطا فرمایا اور اب ہم نے اس کے اندرونی تقاضوں اور ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ امت مسلمہ کے دوسرے عرب اور غیر عرب ممالک سے متنوع تعلقات قائم کرنا تھے اور ان کے لیے مناسب عملے اور سفیروں کی تیاری ضروری تھی۔

لیکن ہمارے سیاست دانوں، ماہرین تعلیم، اسلامی مدارس کے ناظمین، علماء، یونیورسٹیوں کے حکام، محکمہ تعلیم، وزارتِ خارجہ اور دوسرے متعلقہ اداروں کے حکام نے ان کا ادراک کیا اور نہ ان کی تکمیل کے لیے کوئی اقدامات کیے۔ عربی زبان پر ان کی عدم توجہ اور اس کی مناسب اور معیاری تعلیم سے ان کے ۶۴ سالہ طویل اور مسلسل تغافل کے نتیجہ میں ہمارے بچوں، طلباء، عوام اور ملک وقوم کے جو متنوع نقصانات ماضی میں ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہو رہے ہیں، میں ان کی کچھ جھلکیاں اور صورتیں یہاں پیش کرتا ہوں۔

ا۔ ہم عربی زبان کے اچھے معلّمین تیار نہ کر سکے:

ہماری قابل قدر دینی درسگاہوں کے لیے یہ امر باعث فخر ہے کہ ملک کی دینی قیادت کی تعلیم وتربیت بنیادی طور پر انہی میں ہوتی ہے اور حکومت کے زیر اہتمام کام کرنے والے تعلیمی وتربیتی اداروں میں بھی علومِ اسلامیہ اور عربی زبان کے اکثر معلّمین انہی کے فیض یافتہ ہوتے ہیں، اور بالعموم ان کی دینی بصیرت اور تعلیمی خدمات اسلام کے ارفع اصولوں کی آئینہ دار ہوتی ہیں اور آج کے مادی دور میں بھی ان کا اخلاص، تقویٰ اور سیرت وکردار مثالی ہوتے ہیں۔ دینی مدارس کے فضلاء کی یہ تمام خوبیاں مسلمہ ہیں اور ان پر ہمیں فخر ہے۔

لیکن ملک بھر کے دینی مدارس میں عربی زبان کی تعلیم کا طریقہ بالکل پس ماندہ بلکہ فرسودہ ہے۔ ان میں معلّم عربی کلمات، جملوں یا عبارتوں کو خود پڑھ کر یا بچوں سے پڑھوا کر ان کا اپنی مقامی زبان اردو، پشتو یا سندھی وغیرہ میں لفظی ترجمہ اور تشریح کرنے تک محدود رہتا ہے۔ یوں بچے اپنے معلّم سے عربی الفاظ، جملوں، عبارتوں کا صرف اور صرف ترجمہ سیکھتے ہیں اور اسی کو اپنی منزل اور آخری کامیابی سمجھتے ہیں۔ اس کے سوا وہ عربی زبان کے الفاظ اور محاوروں کو لکھنے یا بولنے اور ان کے متنوع استعمالات کی کوئی مشق نہیں کرتے۔ اور انہیں عربی زبان میں تحریر وانشاء کی مشق نہیں کرائی جاتی۔ اس لیے وہ عربی ایسی آسان زبان کو بھی لکھنے اور بولنے کی معمولی صلاحیت سے قاصر رہتے ہیں۔

اس فرسودہ طریقہ تدریس سے عربی زبان مسلسل ''متروک'' رہتی ہے۔ اس لیے ہمارے عربی مدارس میں عربی عملاً ''متروک'' ہے۔ اور جس چیز کو آپ عمداً اور خود ترک کریں وہ آسان ہونے کے باوجود آپ کو نہیں آئے گی۔ کیوں کہ یہ قدرت کا قاعدہ ہے ﴿وأن ليس للانسان إلا ما سعى﴾ ''اور یہ کہ انسان کو صرف وہ ملتا ہے جس کی وہ محنت کرے۔'' یہ مشہور قاعدہ ہے: فاقد الشیء لا یُعطیه ''کسی چیز سے کوئی شخص خود محروم ہو تو وہ اسے دوسروں کو نہیں دے سکتا۔'' جب ہماری درسگاہوں کے فیض یافتہ طلباء خود عربی نہیں جانتے ہوں گے تو وہ معلّم بن کر دینی درسگاہوں، سکولوں اور کالجوں میں عربی زبان کو کیسے فروغ دیں گے؟ یوں ہم نئی نسلوں کو عربی زبان کی اچھی اور معیاری تعلیم دینے کے لیے آج تک اچھے معلّم تیار نہیں کر سکے۔ قیام پاکستان سے لے کر آج تک ہم دیکھ رہے ہیں کہ سکولوں کے بچے اور بچیاں عربی زبان کے مضمون کو نہایت مشکل، پیچیدہ اور اپنے اوپر بوجھ تصور کرتے ہیں۔ کیوں کہ اسے صحیح طور پر

پیش نہیں کیا جارہا۔

۲۔ پاکستان میں عربی زبان کو فروغ دینے کا فریضہ ادا نہیں کیا گیا:

شرعی فریضہ:

اللہ تعالیٰ تمام کائنات اور زبانوں کا خالق ہے، اس نے اپنی کمال حکمت کے مطابق عربی کو اپنے محبوب دین اسلام، اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ اور اپنی آخری کتاب قرآنِ حکیم کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ اب یہی اسلام کے تمام چشموں کی محافظ اور امین ہے۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی عبادت اور قرب ومناجات کا ذریعہ بنایا ہے۔ عربی کی یہ منفرد حیثیت اسے دوسری تمام زبانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ اس طرح چشمہ اسلام سے فیض یابی کے لیے عربی زبان کی مناسب تعلیم کے حصول کو ہر مسلمان کے لیے ضروری اور لازمی قرار دیا گیا ہے. یوں ہر باشعور مسلمان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ بنیادی عربی زبان سیکھ کر قرآنِ کریم کو سمجھے اور اپنے محبوب دین اسلام کی بنیادی تعلیمات سے براہِ راست آگاہی کا شرف حاصل کرے اور کم از کم اپنی نماز اور عبادت کے کلمات اور اذکار کو سمجھ کر ادا کرے اور اپنے خالق سے براہِ راست مناجات کا قرب حاصل کرے اور حتی المقدور ایمان کی لذت اور حلاوت حاصل کرے۔

عربی کی اس منفرد اور ممتاز شرعی حیثیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری حکومت اور ہمارے تمام ادارے، تنظیمیں، دین کے خدام، علماء اور مبلغین مسلمان معاشرے میں اس کی بہتر ترویج واشاعت کا اہتمام کریں اور اسے عام مسلمانوں کے لیے قابل فہم، آسان اور مؤثر صورت میں پیش کریں اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کریں، تاکہ معاشرے میں دعوت اسلام عام ہو، لوگوں میں فہم قرآن کا ذوق بڑھے اور وہ اسلام کی نورانی تعلیمات سے مستفید ہوں اور معاشرے میں ہر سو پھیلی ہوئی طرح طرح کی خرابیوں، گمراہیوں اور خرافات سے پاک ہوں۔ دوسرے لفظوں میں عربی کی اشاعت مسلمان معاشرے میں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کی دعوت اور تربیت کا نہایت مؤثر ذریعہ اور شرعی فریضہ ہے۔

دستوری فریضہ:

تمام مسلمانوں کی طرح اسلامی تعلیم اور اس کی زبان عربی کو سیکھنے کے فریضے کے علاوہ ان سے ہمارے تعلق اور وابستگی کی ایک اضافی وجہ اور ذمہ داری بھی ہے کہ ہماری مملکت پاکستان کی نظریاتی اور فکری بنیاد اسلام ہے اور پوری قوم نے اس کے قیام کے وقت بالاتفاق اس کے تمام امور ومعاملات کو قرآنِ کریم اور خاتم النّبیین حضرت محمد ﷺ کی سنت کی ہدایات اور احکام کے مطابق انجام دینے کا عہد کیا تھا۔ چوں کہ اسلام کے ان دونوں چشموں قرآنِ کریم اور سنت کی زبان عربی ہے اس لیے پاکستان کا ہر مسلمان شہری اسے شوق اور عقیدت سے سیکھتا اور پڑھتا ہے اور اپنی بساط کے مطابق اس میں ترقی کا متمنّی ہوتا ہے۔ اپنے شہریوں کی اسلام اور عربی زبان سے گہری وابستگی کی بنا پر پاکستان کے بانیوں اور سیاسی قیادت نے اس کے دستور میں یہ عہد کیا تھا کہ وہ کتاب وسنت اور ان کی عربی زبان کی اچھی تعلیم وتدریس کو ملک میں فروغ دینے کے لیے مناسب اقدامات کریں گے۔ چناں چہ ۱۹۷۳ء کے دستور کی دفعہ ۳۱ حسب ذیل ہے:

آرٹیکل ۳۱۔ اسلامی طرز حیات:

ا: ایسے اقدامات کیے جائیں گے جو مسلمانانِ پاکستان کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق گزارنے میں مدد دیں اور انہیں ایسی سہولیات فراہم کی جائیں گی جو ان کے لیے قرآنِ کریم اور سنت کے مطابق مقصد حیات کے فہم میں معاون ہوں۔

۲: جہاں تک مسلمانانِ پاکستان کا تعلق ہے ریاست اہتمام کرے گی۔ (ا) کہ قرآنِ کریم اور اسلامیات کی تعلیم کو لازم کیا جائے اور عربی زبان کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس کی سہولیات فراہم کرے گی۔ نیز قرآنِ کریم کی صحیح طباعت اور اشاعت کرے گی۔ (ب) وحدت اور اسلامی اخلاق کی پابندی کو فروغ دیا جائے۔

(ج) زکوٰۃ (عشر)، اوقاف اور مساجد کا مناسب نظم ونسق قائم کیا جائے۔

قانونی واخلاقی فریضہ:

ملک کے اسلامی مدارس اور دیگر تعلیمی اداروں کے ناظمین

ومعلّمین کا یہ قانونی اور اخلاقی فریضہ بھی بنتا ہے کہ وہ اپنے اداروں میں قرآنِ کریم ودیگر اسلامی علوم اور عربی زبان کی اچھی تعلیم وتربیت کا اہتمام کریں۔ کیوں کہ ان اداروں کا نام ہی اسلامی مدارس اور مدارس عربیہ ہے اور ان سب کے تاسیسی مقاصد اور دستور میں اس امر کی واضح تصریحات موجود ہیں اور ہمارا معاشرہ اور ہمارے سرکاری وغیر سرکاری ادارے انھی نیک مقاصد کی تکمیل کی خاطر ان کی حمایت اور تائید کرتے ہیں اور ملک کے تقریباً بیس لاکھ بچے ہر سال ان میں داخلہ لیتے ہیں۔

ہمارے علماء اور مبلغین اپنے اداروں اور مساجد میں مسلمان عوام اور بچوں کی اسلامی تعلیم وتربیت کے لیے جو دینی پروگرام اور کورسز منظّم کرتے ہیں ان میں (۱) خطبات جمعہ (۲) تبلیغی اجتماعات (۳) دروس قرآنِ کریم (۴) (کچھ مقامات پر) دروس حدیث شریف کے علاوہ (۵) ناظرہ قرآنِ کریم (۶) قراءت وتجوید (۷) تحفیظ القرآن الکریم (۸) ترجمہ قرآن شامل ہیں۔ یہ سب نہایت مفید اور اہم پروگرام ہیں اور اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی اسلامی تعلیم وتربیت میں مؤثر ہیں۔ اس لیے دین اسلام سے محبت رکھنے والا ہر مسلمان ان سے کسی نہ کسی شکل میں استفادہ ضرور کرتا ہے۔

ان تمام اسلامی کورسوں کی تاثیر، فوائد اور برکات میں عربی زبان کی ابتدائی اور آسان تعلیم کو شامل کرنے سے کیا اضافہ ہوگا؟ اسے ایک مثال سے سمجھ لیجیے۔

ایک مسلمان حج یا عمرہ ادا کرنے یا کسی اور کام مثلاً تعلیم، تجارت وغیرہ کی غرض سے سعودی عرب یا کسی دوسرے عرب ملک میں جاتا ہے۔ اب اگر وہ عربی زبان کو سمجھتا اور لکھ بول سکتا ہو تو وہ وہاں کے اپنے مسلمان بھائیوں سے گفتگو اور تبادلہ خیال کرے گا اور متعلقہ اداروں سے رابطہ کرتے ہوئے اپنی ضرورت کے مطابق بآسانی لین دین کرے گا۔ ایسی صورت میں اس کی اپنے مقصد کی تکمیل میں کامیابی بلکہ اچھی کامیابی کے مواقع زیادہ ہوں گے۔

بصورت دیگر اگر وہ عربی نہ جانتا ہو تو وہ پریشان ہوگا کہ وہ عرب لوگوں سے معاملات کیسے طے کرے گا؟ وہ وہاں پہنچ کر کچھ تو وہاں مقیم اپنے ہم وطنوں کے تعاون سے اور جہاں ضرورت پڑے اشاروں سے اپنا کام کرنے کی سعی کرے گا اور وہاں کے اصل باشندوں یا دفاتر سے لین دین میں دقت محسوس کرے گا۔ ایسا شخص اپنے کام میں کامیاب ہونے کے باوجود اسے زیادہ تسلی اور خوش اسلوبی سے انجام نہیں دے سکے گا۔ اس کاروبار کو انجام دینے میں ہم اوّل الذکر شخص کو پہلے درجے پر اور مؤخر الذکر کو دوسرے درجے پر شمار کرتے ہیں۔

یہاں میں نے اپنے مسلمان عرب بھائیوں اور ان کے اداروں سے لین دین کرنے والے دو شخصوں کی مثال دی ہے۔ اس مثال کو ہمارے نبی محمد عربی ﷺ کی زبان کو جاننے والے مسلمانوں پر چسپاں کریں اور دیکھیں کہ وہ (۱) دین اسلام کے صحیح فہم اور (۲) کلام اللہ میں بصیرت اور تدبر اور (۳) اللہ ربّ العالمین کی عبادت اور مناجات میں کتنا آگے بڑھیں گے؟ اور دیکھئے کہ عربی زبان کا اچھا فہم اور مطالعہ مسلمانوں کی دینی ترقی اور روحانی درجات کے ارتقا کا کیسا عمدہ ذریعہ بنتا ہے؟ اور ان میں سے کتنے خوش نصیبوں کو قرب اور احسان کے بلند درجات پر فائز کرتا ہے؟ ایسا کیوں نہ ہو؟ اس زبان کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اسلام، اپنے آخری نبی ﷺ اور اپنی آخری کتاب کے لیے منتخب کیا ہے اور پھر اس کی مبارک آیات اور تراکیب کو ملاءِ اعلیٰ سے مرتب ومنقح نازل فرمایا ہے۔ اور اسے اس حد تک آسان بنایا ہے کہ کمسن بچے بھی معمولی سی محنت اور نہایت آسانی سے اسے پڑھ کر لکھنا بولنا سیکھ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کو حکم دیا ہے ﴿بَـلِّـغْ مَـا اُنْـزِلَ اِلَيْكَ﴾ ''جو کتاب آپ پر نازل کی گئی ہے اسے اپنی امت کو پہنچا ئیں۔''

لیکن چوں کہ ہماری درسگاہوں میں عرصہ دراز سے عربی زبان کی تعلیم وتدریس مناسب انداز میں نہیں ہو رہی اس لیے ہم ...... باشعور مسلمانوں کی تمنا اور شوق کے باوجود ...... عربی زبان کو اپنے معاشرے میں زیادہ فروغ نہیں دے سکے۔

یادِ رفتگاں

مولانا محمد بشیر طیب

محمد اسحاق بھٹی

لمبا قد، گندمی رنگ، تیکھے نقوش، مناسب جسم، نہ موٹے نہ زیادہ دبلے پتلے، مہندی سے رنگین لمبی داڑھی، خوش طبع، یہ تھے مولانا محمد بشیر طیب جو ۱۹۵۹ء میں موضع بدو کی سکھواں ضلع گوجراں والا میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں حافظ آباد گوجراں روڈ پر واقع ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: محمد بشیر طیب بن میاں عطاء اللہ بن حکیم محمد دین بن حکیم مہر علی۔

مولانا محمد بشیر طیب کے والد میاں عطاء اللہ صحیح العقیدہ، تہجد گزار اور صالح بزرگ تھے۔ قرآنِ مجید کی بہ کثرت تلاوت کرتے اور اپنے حلقے کے مبلغ دین تھے۔ گاؤں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور لوگوں کی خدمت ان کا معمول تھا۔ گاؤں میں کوئی چھوٹا موٹا جھگڑا ہوجاتا تو فریقین انہی سے فیصلہ کراتے اور ان کے فیصلے پر عمل کرتے۔ مولانا محمد بشیر کے دادا اور پردادا بھی پڑھے لکھے اور اپنے علاقے کے اچھے طبیب تھے۔

محمد بشیر کچھ بڑے ہوئے تو انہیں قریبی گاؤں موضع ادھو والی کے گورنمنٹ مڈل سکول میں داخل کرایا گیا۔ (اب یہ ہائی سکول ہے۔) اس سکول میں انہوں نے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد دینی تعلیم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے، چنانچہ ۱۹۶۱ء میں جب بارہ سال کی عمر کے ہوئے تو والد محترم نے ان کو اپنے چھوٹے بھائی مولانا عبیداللہ کے پاس موضع سنبھلا کلاں میں بھیج دیا، جو ایمن آباد سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں انہوں نے مختلف علوم کی چند ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

بعدازاں ۱۹۶۴ء میں گوجراں والا کے ایک دیو بندی مدرسے میں داخل کرا دیے گئے۔ کچھ عرصہ وہاں رہے اور بعض درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر ۱۹۶۵ء میں اپنے والد گرامی کے حکم سے جامعہ محمدیہ (واقع جی ٹی روڈ گوجراں والا) میں داخلہ لیا۔ اس وقت جامعہ محمدیہ کے اساتذہ کرام تھے شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب (جن کی کوشش سے جامعہ کا قیام عمل میں آیا تھا) مولانا عبدالحمید ہزاروی، مولانا جمعہ خان ہزاروی، مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری، حافظ عبدالسلام بھٹوی، مولانا بشیر الرحمٰن نور پوری، مولانا عبدالرحمٰن لکھوی، مولانا مصباح الدین اور مولانا محمد رفیق سلفی۔

طالب علمی کے دوران ہی میں والد کی وفات کا حادثہ پیش آ گیا اور گھریلو حالات بدل گئے۔ آمدنی کی کوئی صورت نہ تھی۔ خیال ہوا کہ تعلیم کا سلسلہ ترک کر کے کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے گھر کے خرچ اخراجات کا مسئلہ حل ہو۔ لیکن بعض قریبی رشتے داروں نے تعلیم جاری رکھنے کا مشورہ دیا اور کہا تعلیم جاری رکھو اور گھریلو معاملات سے متعلق کسی قسم کی تشویش دل میں نہ لاؤ۔ عزیزوں کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیم بھی جاری رہی اور اللہ نے گھر کے معاشی فکر سے بھی محفوظ رکھا۔

جامعہ محمدیہ کے زمانۂ طالب علمی میں وعظ وتقریر کا شوق بھی پیدا ہوا۔ اس زمانے میں پنجاب کے اہل حدیث حلقوں میں کاموں کی کے شاہ عبدالغنی مرحوم ومغفور کے وعظوں کی بڑی شہرت تھی۔ بالخصوص مسئلۂ توحید پر وہ بہت عمدہ تقریر کرتے تھے اور انہوں نے جو اسلوبِ تقریر اختیار کیا تھا، اس سے لوگ بہت متاثر تھے، مولانا محمد بشیر طیب نے بھی وہی اسلوب اختیار کرنے کی کوشش کی، جسے ان کے بعض اساتذہ نے بھی پسند کیا اور اس سے ان کا حوصلہ بڑھا۔ اس وقت گوجراں والا کے مولانا محمد صادق عتیق قصبہ ایمن آباد کی جامع مسجد اہل حدیث کے خطیب تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ ان سے کہا کہ میں

نے بدوملہی کے لوگوں سے وہاں کی جامع مسجد اہل حدیث میں جمعہ پڑھانے کا وعدہ کیا ہے، لیکن میں اچانک بیمار ہوگیا ہوں، آپ وہاں جائیں اور جمعہ پڑھائیں۔ چناں چہ یہ وہاں پہنچے اور خطبہ دیا۔

ان کا یہ پہلا خطبۂ جمعہ تھا۔ ان کی تقریر سے لوگ بہت خوش ہوئے اور ان کے اصرار پر یہ وہاں دو مہینے خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔ اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں بدوملہی کی مسجد کے اربابِ انتظام نے ان کو مستقل طور سے خطیب مقرر کرلیا۔ پھر چھ سال (۱۹۷۶ء تک) وہاں ان کا سلسلۂ خطابت جاری رہا۔ بدوملہی کی خطابت کے زمانے میں انہوں نے وہیں درزی کا کام بھی سیکھا۔ اس طرح کپڑے کی سلائی کے ہنر سے بھی شناسا ہوگئے۔ یہ ہنر آگے چل کر کویت میں بھی ان کی آمدنی کا ذریعہ ثابت ہوا۔

پھر حالات ایسے پیدا ہوئے کہ ۱۹۷۶ء میں مولانا محمد صادق عتیق جو ایمن آباد کی جامع مسجد اہل حدیث کے خطیب تھے، گوجراں والا چلے گئے۔ اب ایمن آباد کی جماعت کے لوگ بدوملہی پہنچے اور مولانا محمد بشیر طیب کو خطیب کی حیثیت سے ایمن آباد لے آئے اور یہ دو سال (۱۹۷۸ء تک) ایمن آباد کی جامع اہل حدیث کے منصب خطابت پر فائز رہے۔

اب ان کی زندگی کا ایک اور مرحلہ سامنے آتا ہے، وہ یہ کہ انہوں نے کویت جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ چاہتے تھے کہ وہاں جا کر لوگوں کے کپڑے سیئیں گے اور روزی کمائیں گے۔ ۱۹۷۸ء میں یہ کویت گئے اور ۱۹۷۹ء تک کم وبیش ایک سال وہاں درزی کی دکان پر کام کرتے رہے۔ پھر وزارتِ اوقاف میں کسی مسجد کے مؤذن کی تقرری کے سلسلے میں بھاگ دوڑ شروع کردی اور اللہ نے اس میں کامیابی عطا فرمائی۔ ہوا یہ کہ ایک مرتبہ رات کو دیر تک کپڑے سیتے رہے۔ رات کے آخری حصے میں سوئے تو نیند نے ایسا غلبہ پایا کہ فجر کی نماز قضا ہوگئی۔ اس پر بے حد افسوس ہوا اور اپنے ضمیر کو ملامت کی کہ یہاں دنیا کمانے آئے ہو اور دین کو ترک کر رہے ہو۔ دین بھی ہاتھ سے جا رہا ہے اور دنیا بھی نہیں مل رہی۔ اللہ سے رو رو کر دعا کی کہ یا اللہ! ایسا کام مل جائے جس سے دین اور دنیا دونوں میں کامیابی حاصل ہو، چناں چہ ۱۹۷۹ء میں وزارت اوقاف سے مؤذن کے فرائض ادا کرنے کی تقرری ہوگئی۔

یہ تقرری کیسے ہوئی؟ یہ بھی عجیب واقعہ ہے۔ انہوں نے عربی کتابیں تو جامعہ محمدیہ (گوجراں والا) اور بعض دیگر مدارس میں پڑھی تھیں، لیکن عربی میں گفتگو کی مشق نہ تھی۔ کسی نہ کسی طرح عربی کے چند الفاظ بول لیتے تھے اور کام چل رہا تھا۔ کویت کے حالات اور وہاں کے اہم مقامات سے بھی زیادہ آگاہ نہ تھے، یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کویت کی وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ کا دفتر کہاں ہے اور اس میں ملازمت کے لیے درخواست کیسے دی جاتی ہے اور اس کے کس شعبے میں دی جاتی ہے۔ حسن اتفاق سے وہاں انہیں ایک پاکستانی شخص حافظ نصیر الدین مل گئے جو محکمہ اوقاف کی ایک مسجد میں امام تھے۔ وہاں موذن، امام اور خطیب کا تقرر سرکاری طور پر ہوتا ہے اور اس عہدے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ حافظ نصیر الدین صاحب انہیں وزارتِ اوقاف میں لے گئے اور وہاں درخواست دے دی۔ حافظ نصیر الدین سے بھی ان کی پہلی ملاقات تھی اور وزارت اوقاف کا دفتر بھی پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اس دفتر میں جس شخص کو درخواست دی، ان کا نام بدر تھا اور وہ کویت ہی کے رہنے والے تھے اور مدیر مساجد تھے۔ مساجد کے ان مدیر صاحب سے حافظ نصیر الدین کے اچھے تعلقات تھے۔

مدیر صاحب نے مولانا محمد طیب بشیر سے کہا: آپ پندرہ دن کے بعد یہاں آئیں، اس دن آپ کا انٹرویو ہوگا۔

دفتر سے باہر نکلے تو حافظ نصیر الدین نے کہا کہ میں آپ سے جتنا تعاون کرسکتا تھا، کردیا۔ اب آپ آج سے پندرھویں دن یہاں آئیں اور انٹرویو دیں۔

یہ مقررہ دن کو انٹرویو کے لیے گئے تو وہاں ایک اور مدیر مساجد بیٹھے تھے جو چند روز قبل اس منصب پر فائز ہوئے تھے۔ پہلے مدیر مساجد بدر صاحب کا کچھ پتا نہیں تھا کہ کہاں گئے۔ اس صورت حال سے انھیں پریشانی ہوئی کہ اب معلوم نہیں کیا ہوگا۔ بدر صاحب سے تو

کچھ تعارف ہوگیا تھا، نیا آدمی خدا جانے کیسے پیش آئے۔

بہر حال یہ ان کے پاس گئے اور انھیں السلام علیکم کہا تو انھوں نے پوچھا: انٹرویو کے لیے آئے ہو؟

جواب دیا: جی ہاں! انٹرویو کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

کچھ اور لوگ بھی اسی کام سے آئے تھے جو وہاں بیٹھے تھے۔ مدیر مساجد ان سب کو دفتر کی اوپر کی منزل میں لے گئے اور ایک کمرے میں بٹھا دیا۔ انٹرویو دینے والوں کے ناموں کی فہرست ان کے ہاتھ میں تھی۔ ہر شخص کو نام لے کر بلایا جاتا تھا۔ وہ انٹرویو دے کر باہر آتا تو دوسرے کا نام پکارا جاتا۔

مولانا محمد بشیر طیب کے نام کی آواز پڑی تو یہ اندر گئے۔ دیکھا کہ داڑھی منڈھے ایک بارعب مصری عالم کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ ان کے سامنے کی کرسی پر یہ بھی بیٹھ گئے۔ مدیر مساجد بھی ساتھ ہی بیٹھے تھے۔

مصری عالم نے مولانا محمد بشیر طیب سے مخاطب ہو کر پوچھا: شیخ! آپ کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟

اب یہ سوچنے لگے کہ اس سوال کا کیا جواب دیا جائے۔ آخر جواب دیا کہ میں سلفی ہوں۔

وہ مصری عالم سلفی کا لفظ سنتے ہی گرج کر بولا: سلفی کیا ہوتا ہے؟

اس کی بارعب آواز اور طرزِ تخاطب سے یہ گھبرا گئے۔ ان کا زندگی میں یہ پہلا انٹرویو تھا اور وہ بھی دیارِ غیر میں اور عربی زبان میں۔

مصری عالم نے پھر سوال دوہرایا کہ آپ کا مذہب کیا ہے؟

مدیر مساجد بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔ یہ دونوں طرف سے پریشان ہیں۔ انٹرویو لینے والے مصری عالم کی طرف سے بھی اور مدیر مساجد کی طرف سے بھی۔

انھوں نے اپنے آپ کو گھبراہٹ کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کی اور کچھ سنبھل کر جواب دیا کہ میں محمدی ہوں۔

یہ جواب بھی مصری عالم کے منشا کے خلاف تھا۔ وہ طیش میں آ گئے اور قدرے اونچی آواز میں بولے: میرا سوال آپ کی سمجھ میں نہیں آیا؟ میں پوچھ رہا ہوں کہ آپ کا مذہب کیا ہے؟ حنفی ہیں، مالکی ہیں، شافعی ہیں یا حنبلی ہیں؟ یہ چار مذہب ہیں، بتایئے آپ ان میں سے کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟

مولانا محمد بشیر طیب نے ٹوٹی پھوٹی سی عربی میں جواب دیا: جناب میں آپ کا سوال سمجھ گیا ہوں، لیکن میں آپ کے سوال کے متعلق ایک گزارش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

انھوں نے اجازت دے دی تو عرض کیا کہ یہ چار مذہب تو بہت بعد میں آئے۔ ان چار مذہبوں سے پہلے کون سا مذہب تھا؟

یہ سن کر انٹرویو لینے والے وہ مصری عالم سوچ میں پڑ گئے۔ پھر چند لمحوں کے بعد فرمایا: احسنت یا شیخ! انت باکستانی (شیخ! آپ نے ٹھیک کہا۔ کیا آپ پاکستانی ہیں؟)

مصری عالم کے یہ الفاظ سن کر ان کا حوصلہ بڑھا۔ مدیر مساجد صاحب کے چہرے پر بھی بشاشت کے آثار ابھرے۔ اس کے بعد چند اور سوالات پوچھے اور انٹرویو ختم ہوگیا۔

یہ کمرے سے نکلے تو مدیر مساجد نے کہا: ابھی جانا نہیں، باہر بیٹھیے۔ یہ پریشان ہوئے کہ معلوم نہیں اب کیا معاملہ پیش آئے گا اور مدیر صاحب کیا پوچھیں گے۔ ان کے سوالات کا جواب دیا جا سکے گا یا نہیں۔

کچھ دیر بعد مدیر صاحب فارغ ہوئے تو انھوں نے مولانا کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے مدیر صاحب کے پاس لے گئے۔ وہ مدیر حج تھے۔ وہاں جا کر پتا چلا کہ وہ مدیر صاحب بھی جن کے سامنے انٹرویو ہوا تھا، سلفی ہیں اور مدیر حج کا تعلق بھی سلفیت سے ہے۔ ان دونوں حضرات نے مولانا کا بہت احترام کیا اور چائے پلائی۔ پاکستان کے علماء ومشائخ کے بارے میں پوچھا اور ان کے متعلق گفتگو ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ میرا تعلق سیّد بدیع الدین راشدی، علامہ احسان الٰہی ظہیر، حضرت حافظ محمد گوندلوی (سابق استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) اور مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ سے ہے۔ اس سے وہ بہت خوش ہوئے اور پاکستان کے مدارس وجامعات وغیرہ کے متعلق دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔

مولانا محمد بشیر طیب فرماتے ہیں کہ یہ مدیر مساجد تھے عزت مآب مانع الراشد العجمی جن سے بعد میں ان کے دوستانہ مراسم

قائم ہوئے،اور مدیر جج تھے جاسم العون جو اس سے کچھ عرصہ بعد کویت کی قومی اسمبلی کے رکن منتخب کیے گئے اور پھر منصب وزارت تک پہنچے۔

مدیر مساجد مانع الراشد العجمی نے مولانا کو مبارک باد دی اور بتایا کہ آپ انٹرویو میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ چند ضروری امور مکمل کرنے کے بعد آپ کو کسی مسجد میں بھیج دیا جائے گا۔

مانع الراشد العجمی کا اچانک اس منصب پر فائز ہونا، مولانا محمد بشیر طیب کے لیے اللہ کی رحمت ثابت ہوا، جن کی مسلکی ہم آہنگی کی وجہ سے انھیں یہ ملازمت ملی۔

اب ان کی باقاعدہ تقرری کے متعلق سنیے!

انٹرویو کے بعد وہاں کسی مسجد میں باقاعدہ تقرری اس وقت ہوتی ہے، جب وزارت اوقاف میں درخواست گزار اور محکمہ مساجد کے افسر اعلیٰ کے دستخط ہوجاتے ہیں اور دونوں فریقوں میں تحریری معاہدہ طے پاجاتا ہے۔ جب یہ دستخط کرنے گئے اور مدیر کے کمرے میں داخل ہوئے تو اس نے پوچھا کیسے آئے؟

انھوں نے جواب دیا: تقرری کے لیے۔

مدیر صاحب نے فرمایا: ہمارے پاس تو کوئی خالی جگہ نہیں ہے، تقرری کہاں کریں؟

اس جواب سے انھیں پریشانی ہوئی کہ جب انٹرویو میں کامیاب ہوگئے ہیں اور حصولِ ملازمت کا آخری مرحلہ طے ہو چکا ہے تو جگہ نہ ہونے کا کیا مطلب؟ اگر جگہ نہیں تھی تو انٹرویو کیوں کیا گیا؟ اس دن مانع الراشد صاحب بھی دفتر نہیں آئے تھے، وہ چھٹی پر تھے۔ مولانا نے جرأت کی کہ مساجد کے مدیر اعلیٰ کے پاس چلے گئے اور ان سے حاضری کی وجہ بیان کی۔ انھوں نے مدیر مالیہ کو ٹیلی فون کیا کہ شیخ محمد بشیر طیب کی ضرور تقرری کی جائے۔ اب یہ دوبارہ ان کے پاس آئے تو انھوں نے دستخط کراتے وقت کہا ماہانہ تنخواہ صرف ۵۵ دینار ہوگی۔ یہ منظور ہے تو دستخط کریں۔ اب پھر پریشانی لاحق ہوئی کہ اس تنخواہ سے خود کیا کھائیں گے اور گھر کیا بھیجیں گے۔ اس وقت تیس دینار کے ایک ہزار پاکستانی روپے بنتے تھے۔

پھر ایک دم خیال آیا کہ عزت کی ملازمت ہے، صاف ستھرا ماحول ہے، مسجد کے کمرے میں رہائش ہوگی۔ نماز باجماعت کا التزام ہوگا۔ اللہ بھلی کرے گا۔ فارغ وقت میں کپڑے کی سلائی کا کام کیا جاسکے گا۔ یہ باتیں سوچ کر دستخط کردیے اور ملازمت اختیار کرلی۔ پھر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ جب پہلی تنخواہ ملی تو وہ ۵۵ دینار کے بجائے ۷۰ دینار تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسی مہینے امیر کویت شیخ جابر احمد نے ملازموں کی تنخواہوں میں اضافہ کردیا تھا۔ اس طرح حالات روز بروز بدلتے گئے۔ حکومتی قواعد کے مطابق تنخواہ میں اضافہ ہوتا گیا، دیگر سرکاری مراعات بھی ملنے لگیں۔ گریڈ بڑھا اور تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ٹھیک ہوگئے۔

کویت ہی میں ان کی مولانا عارف جاوید محمدی سے ملاقات ہوئی، مولانا عبدالخالق مدنی، حاجی عبداللہ شاد، ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد، مولانا صلاح الدین مقبول احمد، احمد اللہ مبارک پوری، قاری عتیق الرحمٰن، انجینئر عبدالغفور، ملک جاوید اختر، حاجی حبیب الرحمٰن فیصل آبادی، مولانا محمد انور سلفی، حاجی محمد امین گجراتی اور دیگر متعدد اصحاب علم حضرات سے وہاں ملاقات وتعارف کے مواقع ملے۔ جمعیت احیاء التراث الاسلامی کی تشکیل عمل میں آئی تو دائرۂ عمل مزید وسیع ہوا اور اہل علم سے تعارف کے حلقے دور تک پھیلتے چلے گئے۔

وہیں ہندوستان سے تشریف لے جانے والے فضلائے کرام میں سے حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی، مولانا مختار احمد ندوی، مولانا عبدالحمید رحمانی، مولانا عبدالسلام رحمانی اور دوسرے بے شمار بزرگان عالی قدر سے میل ملاقات کی صورت پیدا ہوئی۔

مولانا محمد بشیر طیب کا کویت کے محکمہ اوقاف کی بعض مساجد میں درس قرآن کا سلسلہ بھی جاری تھا، وہ درسِ حدیث بھی دیتے تھے۔ جمعہ بھی پڑھاتے تھے اور امامت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔ اپنی جگہ بے حد مطمئن تھے اور اللہ تعالیٰ کے نہایت شکر گزار تھے کہ اس نے

اپنے آبائی وطن سے ہزاروں میل دور اطمینان کی زندگی گزارنے کے اسباب پیدا فرمائے۔ یہ وہ اسباب تھے، جن کا انھیں ابتدائی دور میں کبھی تصور بھی نہیں ہوا تھا۔ اللہ نے ان کو مشکلات سے نکالا اور بہترین دینی فضا عطا فرمائی۔

جامعہ محمدیہ گوجراں والا میں وہ جن طلباء کی رفاقت میں کئی سال تحصیل علم کرتے رہے، ان کی تعداد تو یقیناً بہت زیادہ ہوگی، لیکن ان میں چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں: پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی، پروفیسر محمد سعید کلیروی، حافظ عبدالحمید ازہر اسلام آباد، مولانا عبدالعلیم علوی مدرسہ جامعہ اسلامیہ گوجراں والا، پروفیسر عتیق الرحمٰن سیالکوٹ، مولانا محمد احمد مہموں والی، حکیم عبدالرحمٰن نظامی، مولانا عبید اللہ عبید، مولانا عبدالرشید ارشد، قاری عصمت اللہ اظہر، حکیم عبدالرشید، مولانا محمد صدیق سلفی۔

مولانا محمد بشیر طیب مقالہ نگاری اور مضمون نویسی کا ذوق بھی رکھتے تھے، ان کے زیادہ مضامین ہفت روزہ ''اہل حدیث'' (لاہور) میں شائع ہوئے۔ ایک کتاب ''بخشش کی راہیں'' چھپی۔

مولانا محمد بشیر طیب سے میری پہلی ملاقات جولائی ۲۰۰۸ء میں ہوئی تھی، جب میں کویت میں رہنے والے پاکستانی اور ہندوستانی دوستوں کی دعوت پر کویت گیا تھا۔ اس کے بعد وہ جب بھی پاکستان آئے۔ وقت نکال کر غریب خانے پر ضرور تشریف لائے۔ نہایت ملنسار اور خوش مزاج تھے۔ آخری مرتبہ فروری ۲۰۱۱ء میں تشریف لائے۔ طبیعت کچھ ناساز تھی، اس کے بعد واپس کویت چلے گئے تھے۔

۱۶ مارچ ۲۰۱۱ء کو وفات پائی۔ ۱۸ مارچ کو جمعۃ المبارک کے روز ان کی میت ان کے گاؤں سمبھلا پہنچی۔ میت کے ساتھ ان کے صاحب زادے حافظ ابوبکر عتیق اور ملک جاوید اختر بھی آئے۔ مولانا عبدالخالق مدنی کچھ عرصہ پہلے ہی کویت سے آئے ہوئے تھے۔ وہ یہیں تھے۔ ان کی وفات کی اطلاع سب سے پہلے مجھے انہی نے دی تھی۔ جمعے کے روز عصر کے بعد ان کی نماز جنازہ حافظ عبدالمنان نور پوری نے پڑھائی۔ میں اپنے بھائی سعید احمد بھٹی کے ساتھ وہاں پہنچا اور نمازِ جنازہ میں شریک ہوا۔

اب مولانا محمد بشیر طیب کی اولاد کا تذکرہ ملاحظہ ہو۔

ان کی اولاد ماشاء اللہ پانچ بیٹے ہیں اور چار بیٹیاں۔

ایک بیٹے حافظ ابوبکر عتیق ہیں۔ فاضل جامعہ محمدیہ گوجراں والا۔ جامعہ اسلامیہ عالمیہ اسلام آباد سے بی اے پاس کرنے کے بعد کراچی یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کی ڈگری حاصل کی۔ گزشتہ کئی سال سے کویت کی وزارت اوقاف کی طرف سے موذن وخطیب ہیں، نیز وہیں کے دار القرآن میں مدرس کی حیثیت سے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

دوسرے بیٹے حافظ ابوسفیان سلفی ہیں۔ انھوں نے جامعہ محمدیہ (گوجراں والا) سے سند فراغت لی اور اب وہیں خدمت تدریس میں مشغول ہیں۔ ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی ہیں۔ ایمن آباد میں سکونت پذیر ہیں اور وہاں کی جامع مسجد اہل حدیث کی خطابت وامامت بھی انہی کے ذمے ہے۔

تیسرے بیٹے حافظ ابوقتادہ کمپیوٹر سائنس میں ایم اے کر رہے ہیں۔

چوتھے حافظ ابوعبیدہ کاظمی اور پانچویں حافظ ابوہریرہ مدنی ہیں۔ یہ دونوں کاموں کی کے گورنمنٹ ہائی سکول میں پڑھ رہے ہیں۔

مولانا محمد بشیر طیب کی وفات کا بے حد افسوس ہوا۔

اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه .



ایک وضاحت

ترجمہ معلّم القرآن کے فقرے ''ڈبہ کے دوسطری فقرے کو ملا کر پڑھو'' کا مطلب ہے کہ ڈبہ کے دوسطری فقرہ کو بریکٹ سمیت ملا کر پڑھو۔ نیز لقنیر میں کچھ ڈیش (ــــــ) رہ گئی ہیں جو آئندہ لگ جائیں گے۔ (ادارہ معلم القرآن ہربنس پورہ، لاہور)



تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

عظمت رسالت ونبوت ﷺ

مؤلف: مولانا فضل الرحمان الازہری ﷾

ضخامت: ۸۰صفحات

قیمت: ۵۰/- روپے

ناشر: ریز مشینری سٹور، برانڈرتھ روڈ لاہور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

پیغمبر آخرالزماں، شفیع المذنبین، خاتم النبیین، جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی شان وعظمت اتنی ارفع واعلیٰ، بلند وبالا ہے کہ دنیا میں ہر وقت آپ کا نام اور آپ ﷺ کے مرتبہ کا ذکر ایک تسلسل کے ساتھ گونجتا اور پکارا جاتا ہے۔ پورے عالم اسلام میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں جہاں جہاں نماز کے لیے اذان کی ندا پکاری جاتی ہے وہاں وہاں اللہ کریم کے اسم مبارک کے ساتھ ساتھ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے نام کی بھی شہادت دی جاتی ہے۔ اذان ہی ایک ایسا عمل ہے کہ جو پانچ وقت کی نماز اور اس کے لیے اذان کا تسلسل ساری دنیا میں دن رات جاری وساری ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ﴾ (الاعراف: ۱۵۸)

''آپ فرما دیں (اے دنیا جہاں والو!) میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ اللہ تعالیٰ جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے......'' الخ

آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجی گئی۔ بدبخت وبدنصیب ہیں وہ لوگ جو آپ ﷺ کی عظمت وشان میں گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ آفتاب وماہتاب کی طرح چمکتے چہرے والے عظیم پیغمبر ﷺ پر فدا ہونے والے آپ ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کبھی آپ ﷺ کے گستاخ کو برداشت کرنا تو کجا زندہ تک نہیں چھوڑا۔

زیر تبصرہ ''عظمت رسالت وشانِ نبوت ﷺ'' حضرت مولانا فضل الرحمٰن الازہری ﷾ کے قلم گوہر بار سے ترتیب دیا گیا کتابچہ ہے۔ اس کی وجہ تالیف حال ہی میں ایک بدبخت عیسائی آسیہ نامی عورت بنی ہے۔ جس نے شانِ رسالت ﷺ میں گستاخی کا ارتکاب کیا اور اس کی حمایت کرنے والے پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر نے جب اس ملعونہ کی حمایت کی تو خاتم النبیین ﷺ کے ایک پروانے ممتاز قادری نے گورنر کا محافظ ہونے کے باوجود اپنے پیغمبر ﷺ سے محبت کا ثبوت دے کر توہین رسالت ﷺ کے قانون کو ''کالا قانون'' کہنے کی پاداش میں گورنر کو ''ٹھنڈا'' کردیا۔

اس سارے واقعے کی تفصیل اور آنجہانی گورنر کے مفصل انٹرویو کے علاوہ نئے وپرانے گستاخانِ پیغمبر کے قتل کے واقعات مکمل حوالوں سے حیطہ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ اسی طرح ایک بدبخت امریکی پادری ''ٹیری جونز'' جس نے اللہ تعالیٰ کے نور ''قرآنِ کریم'' کو نذر آتش کرنے کے ایک نہایت مذموم فعل کا ارتکاب کرکے مسلمانانِ عالم کے دل دکھائے ہیں اور ایک امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس کے معاملے کا ذکر بھی حضرت مولانا فضل الرحمٰن الازہری ﷾ نے اپنے اس کتابچے میں کیا ہے۔ قانونِ پاکستان کی ایک دفعہ ۲۹۵ سی اور اس کا اطلاق کب اور کہاں ہوتا ہے؟ اس کی اس کتابچہ میں بالتفصیل معلومات بیان کی گئی ہیں۔

یہ کتابچہ ایک معلومات افزا تحقیقی واقعات پر عمدہ تحریر ہے۔ دارالکتب السّلفیہ، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور سے مل سکتا ہے۔

مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ

(حیات وخدمات)

مصنف: مولانا محمد رمضان یوسف سلفی
ضخامت: ۲۴۰ صفحات
ناشر: مکتبہ رحمانیہ (سابقہ جامعہ ابراہیمیہ) ناصر روڈ، سیالکوٹ
تبصرہ نگار: عبدالرشید عراقی

جامعہ رحمانیہ (سابقہ جامعہ ابراہیمیہ) ناصر روڈ سیالکوٹ مسلک اہل حدیث کا ایک قدیمی مدرسہ ہے جو ۱۹۶۴ء سے دین اسلام کی نشر واشاعت، کتاب وسنت کی ترقی وترویج اور شرک وبدعت کی تردید وتوبیخ میں سرگرم عمل ہے۔ اس مدرسہ کے روح رواں، بانی اور مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ تھے۔ مولانا جانباز رحمہ اللہ نے اس مدرسہ میں ایک شعبہ تصنیف وتالیف بھی قائم کیا ہوا تھا۔ اس شعبہ کے زیر اہتمام مولانا جانباز رحمہ اللہ کی تصانیف کے علاوہ دوسرے مصنّفین کی بھی تصانیف شائع ہوئی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ (حیات وخدمات) مصنفہ مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ کو شائع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کے نام سے اس وقت کون واقف نہیں۔ علمی اور مطالعاتی حلقوں میں ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، حضرت العلام حافظ محمد محدث گوندلوی، شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی اور مولانا محمد حنیف ندوی رحمہم اللہ کے علمی افادات اور توجہ اختصاص اور دعاؤں سے مستفید ہوئے ہیں۔ آج ان کا شمار برصغیر (پاک وہند) کے چوٹی کے مصنّفین ومؤلفین میں ہوتا ہے۔ دو درجن کے قریب ان کی علمی، دینی، تاریخی، سوانحی اور اصلاحی کتابیں ان کے باکمال اور سحر نگار قلم سے نکل چکی ہیں۔ ان کی تحریریں ایک عظیم علمی اور ادبی، تحقیقی اور تاریخی سرمایہ ہیں۔

مولانا بھٹی کی تحریر میں عربی، فارسی اور اردو کے بھاری بھرکم اور نامانوس الفاظ کا استعمال نہیں ہوتا۔ جو کچھ ذہن میں ہوتا ہے اس کو بڑی سادگی اور سلیس اُردو زبان میں صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیتے ہیں۔ یہی ان کا وصف ہے جو ان کو اردو زبان کے دیگر مؤلفین ومصنّفین سے ممتاز کرتا ہے۔

مؤلف کتاب مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ جماعت کے معروف لکھاری ہیں۔ شخصیات کا تعارف بڑے عمدہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ مولانا بھٹی سے ان کے دیرینہ تعلقات ہیں۔ انہوں نے اپنی اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں مولانا بھٹی کے حالاتِ زندگی، اساتذہ کرام، مرکزی جمعیۃ اہل حدیث پاکستان کا قیام اور اس سے وابستگی۔ مولانا بھٹی کی صحافتی زندگی، ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستگی اور تصانیف وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

دوسرے حصہ میں (۱۸) اہل قلم کی نگارشات کو جمع کیا گیا ہے۔ جنہوں نے مولانا بھٹی کے بارے میں اپنے تاثرات اور اُن کی علمی وادبی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ ان اہل قلم میں مولانا عبدالعظیم انصاری، آبادشاہ پوری، صاحبزادہ خورشید گیلانی مرحوم، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر، مولانا عبدالمعید عبدالجلیل (علی گڑھ)، مولانا صلاح الدین مقبول احمد (کویت) شامل ہیں۔

یہ کتاب اصحابِ نگارش پر لکھی جانے والی کتب میں ایک عمدہ اضافہ ہے اور مولانا محمد رمضان یوسف سلفی صاحب کا ایک کارنامہ ہے۔

مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

مخدومِ گرامی حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ جماعت اہل حدیث پاکستان کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ تاریخ مسلک اہل حدیث اور شخصیت نگاری ان کا پسندیدہ موضوع ہے۔ انہوں نے اب تک بیشتر کتب تصنیف فرمائیں۔ کئی ایک تراجم کیے۔ سیکڑوں علمائے

کرام کے حالات وواقعات حیطۂ تحریر میں لائے۔ پوری جماعتی تاریخ اور چیدہ چیدہ واقعات وحالات چشم دید کے گواہ ہیں۔ آپ ایک جہاندیدہ اور سرد وگرم چشیدہ صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے شفیق، خوش مزاج وخوش مقال وخوش خصال، منجھے ہوئے ادیب، ملن سار اور دورِ حاضر کی ایک اہم علمی وادبی شخصیت ہونے کے باوصف نہایت سادہ اور فقیر منش ہیں۔

جب بھی کسی مجلس میں اہل علم کے ساتھ ہم کلام ہوں تو اپنے آپ کو بندۂ فقیر کہتے ہوئے واقعات ہی واقعات بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں بوریت نام کی کوئی چیز نہیں۔ شگفتہ مزاجی اور دلچسپ ومعلوماتی گفتگو سے مزین ان کی مجلس میں موجود دوسرے احباب محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ اللہ کریم انہیں صحت وعافیت والی لمبی عمر عطا فرمائے۔

زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف ومصنف فاضل دوست جناب محمد رمضان یوسف سلفی ایک معروف قلم کار ہیں۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی ﷾ سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ''مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی'' کے عنوان سے بڑی معلوماتی کتاب تحریر کر کے خواندگانِ گرامی قدر کے لیے ایک تحفہ پیش کر دیا ہے۔ مولانا رمضان یوسف سلفی صاحب نے کچھ حصہ خود تصنیف فرمایا اور کچھ حصہ دیگر اہل قلم حضرات کا شامل کتاب کیا ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی ﷾ نے خود اپنے قلم سے بیسیوں افراد پر لکھا اور کئی اہل علم کو متعارف کروایا۔ مگر مولانا بھٹی صاحب کی ذات پر یہ کتاب اب اہل علم کی دلچسپی کے لیے بڑی مفید ثابت ہوگی۔ قارئین اندازہ لگائیں گے کہ مولانا محمد اسحاق بھٹی ﷾ کا اہل علم میں کیا مرتبہ ومقام ہے۔

مولانا بھٹی صاحب پر لکھنے والوں میں ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، ڈاکٹر سفیر اختر، مولانا صلاح الدین مقبول احمد (کویت)، مولانا محمد انور محمد قاسم السّلفی (کویت)، مولانا عبدالمعید، عبدالجلیل (بھارت)، اطہر نقوی (بھارت)، مولانا عبدالعظیم انصاری مرحوم، ملک عصمت اللہ قلعوی، ملک عبدالرشید عراقی، محمد عالم مختار حق ودیگر اہل قلم شامل ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت کا سہرا جماعت اہل حدیث کے ممتاز عالم دین شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز ﷫ کے علمی گلستان جامعہ رحمانیہ (ابراہیمیہ) ناصر روڈ سیالکوٹ کے سر ہے۔ خصوصاً جناب عبدالحنان جانباز کی خصوصی دلچسپی سے یہ کتاب طبع ہوکر مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

کتاب کمپیوٹر کمپوزنگ، مجلد، ضخامت ۲۴۰ صفحات اور قیمت صرف ۱۵۰/- روپے ہے۔

جشن عید میلا د النبی ﷺ کتاب وسنت کی روشنی میں

مؤلف: **شیخ الحدیث مولانا مفتی عبیداللہ عفیف**

ضخامت: **۸۸ صفحات**

ناشر: **حافظ خالد محمود صادق، جامعہ رحمانیہ کنگن پور**

تبصرہ نگار: **محمد سلیم چنیوٹی**

نبی کریم ﷺ اپنی ساری زندگی اپنی امت کی فکر کرتے اور اسے جہنم سے آزاد کرانے کے لیے انسانوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ ایسے نبی رحمت ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو آپ ﷺ ایک مجاہد فی سبیل اللہ، توحید ربوبیت کے علم بردار، فقیر الی اللہ اور یتیموں وغریبوں کے غم خوار ومونس نظر آتے ہیں۔ جس طرح آپ ﷺ اپنی امت سے محبت فرماتے تھے اور آپ ﷺ اسلام کی تعلیمات سے امت کی رہنمائی فرماتے تھے اسی طرح آپ ﷺ کے اصحاب ﷺ آپ ﷺ پر دل وجان سے قربان ہو ہو جاتے تھے۔ لیکن آج کا مسلمان خرافات وبدعات میں کھو گیا۔ نت نئے جشن ترتیب دیے گئے اور نئی نئی رسموں سے اسلام جیسے متبرک دین کو نعوذ باللہ گہنانے کی سعی نامشکور کی گئی۔

زیر تبصرہ کتابچہ عید میلا د النبی ﷺ کے جشن منانے کی تردید میں

ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ مختصر رسالہ دراصل میلاد مروّجہ وجشن عید میلاد کے بارے میں شیخ الحدیث مفتی عبید اللہ عفیف حفظہ اللہ سے پوچھے گئے سات سوالات کا مدلل ومحقق جواب ہے۔

مروّجہ میلاد کبھی بارہ وفات مشہور تھا۔ پھر عید میلاد کہا جانے لگا۔ سکول وکالج کھلتے تھے ودیگر کام کاج جاری رہتے تھے۔ آہستہ آہستہ سرکاری چھٹی کر دی گئی اور اب یہ دن جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم تک ترقی کرتے پہنچ چکا ہے۔ اسلام اور مذہب میں ایسے جشنون اور ایام منانے کی کہیں بھی گنجائش نہیں۔

حضرت مفتی عبید اللہ عفیف حفظہ اللہ نے دلائل واحکام عقلیہ ونقلیہ کثرت سے درج فرما دیے ہیں کہ اصل حقیقت کا بخوبی ادراک ہوجاتا ہے۔ اہل ذوق کے لیے مطالعہ کرنا فائدے سے خالی نہیں۔

مکتبہ محمدیہ الفضل مارکیٹ قذافی سٹریٹ اردو بازار لاہور سے یہ کتابچہ مل سکتا ہے۔



مرکز الدعوۃ السلفیۃ ستیانہ بنگلہ (فیصل آباد) کا اعزاز

جامعۃ الحرمین راولپنڈی کے زیر اہتمام ملک بھر کے سلفی مدارس کے درمیان ہونے والے الرحیق المختوم کے کوئز مقابلہ میں مرکز الدعوۃ السّلفیہ کے تین طلباء قاری یحییٰ حسن بن محمد حسن (درجہ سادسہ) عبداللہ وقار بن محمد یونس (درجہ سادسہ) محمد عثمان شاکر بن محمد اسلم شاکر (درجہ رابعہ) نے اوّل پوزیشن حاصل کی۔ اسی طرح الجامعۃ السّلفیہ فیصل آباد کے زیر اہتمام ہونے والے مسابقہ تحفیظ القرآن المجید میں مرکز ہذا کے تین طلباء شریک ہوئے اور درج ذیل پوزیشنیں حاصل کیں:

قاری یحییٰ حسن بن محمد حسن (مکمل قرآنِ مجید میں اوّل)

قاری اسامہ نذیر بن نذیر خان (نصف قرآنِ مجید میں اوّل)

قاری انعام الرحمٰن بن حافظ محمد اسحاق (نصف قرآنِ مجید میں دوم)

ادارہ ان طلباء کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرتا ہے۔

(منجانب: شعبہ النادی الادبی مرکز الدعوۃ السّلفیہ ستیانہ بنگلہ ضلع فیصل آباد)

آخری آرزو

بپاسِ خاطرِ احباب کس عنوان پر لکھوں؟
کہاں تک داستانِ دردِ دل، دردِ جگر لکھوں؟
بہت دن گمشدہ یادوں کا میں نے تذکرہ لکھا
کہاں تک نظم میں افسانہ شام و سحر لکھوں؟
مقدر کا نوشتہ تھا، دلِ مرحوم کا ماتم
اب اس پر اور کیا، بارِ دگر، بارِ دگر لکھوں؟
خطابت کے بہت سے معرکے سر کر لیے میں نے
سیاسی تذکرے کب تک قلم کو توڑ کر لکھوں؟
بحمداللہ قصائد کی زباں آتی نہیں مجھ کو
عزیزانِ گرامی قدر! عرضِ مختصر لکھوں؟
بس اتنی آرزو ہے عمر کی اس آخری رو میں
خدا توفیق دے تو سیرتِ خیرالبشرؐ لکھوں

(شورش کاشمیری)